مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه

نقوش اسلام

Issue.No. 4	جون ۲۰۰۸ء (June,2008) جمادی الاول/ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ	VOL.No.3

زیر سرپرستی

- مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

- مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
- مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
- مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
- مولانا محمد احمد صالح جی
- مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا حافظ قاری محمد ایوب
- الحاج موسیٰ بھائی درسوت
- مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی — مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری — مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی
حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ.........................۱۰/روپے
سالانہ.........................۱۰۰/روپے
خصوصی ۳۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
VILL& P.O.MUZAFFARABAD DISTT.SAHARANPUR (U.P) EDITOR:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

npage24\A017 not found. Border\BISMIL01\001. not found. npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے......	محمد مسعود عزیزی ندوی	
دوائے دل		۵
ملفوظات مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی	
جائزہ		۸
مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی......	مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی	
دعوت دین		۱۴
عمان میں سفیر نبوت کا اعلان حق	قمر عباس ٹوبہ ٹیک سنگھ پاکستان	
مسائل وفقہ		۱۷
امامت کے مسائل اور احکام	محمد مسعود عزیزی ندوی	
تجزیہ		۲۲
اسلام تلوار سے پھیلا یا اخلاق سے؟	مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی	
چشم کشا		۲۶
علماء کا اختلاف کیسے ختم ہو سکتے ہیں؟	(ادارہ)	
تحقیق ونظر		۳۲
فقہ حنفی اور امام اعظم	مولانا محمد حذیفہ غلام محمد وستانوی	
تاریخ کے دامن سے		۳۴
مسلم سائنسداں ابن سینا......	محمد سراج الدین بنگلور	
فضائل		۳۷
صدقہ کی فضیلت	محترمہ فاضلہ سارہ عزیزی	
دعوت فکر		۳۹
حامیان اردو کی خدمت میں	منشی عبدالغفور ناظم مدرسہ انوار القرآن	
اصلاحیات		۴۲
مدار نجات اللہ کی رحمت ہے نہ کہ اعمال	مولانا محمد عمر صاحب مجاہد پوری	
تبصرے		۴۶
نئی کتابوں پر تبصرہ	مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی	
مراسلات		۴۷
	آپ کے خطوط	
اشتہارات		۴۸
تعمیر مسجد و درسگاہیں	(ادارہ)	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)...........	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی	....	۶۰۰
¼ صفحہ //	....	۴۰۰

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زر تعاون مبلغ ۱۰۰؍روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

E.mail:masood_azizinadwi@yahoo.co.in -------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائینیگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

اداریہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

محمد مسعود عزیزی ندوی

آج کل ملک جس صورت حال سے گزر رہا ہے، اس سے سبھی لوگ واقف اور باخبر ہیں، ہر جگہ سیاسی بحران، ہر جگہ ناچاقی ونااتفاقی، ہر جگہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے دوسروں کے حقوق کی پامالی، اپنے گھر کو روشن کرنے کے لیے دوسرے کے چراغ کو بجھانے کی کوشش، اپنی بات کو منوانے کے لیے دوسروں کو تکلیف میں ڈالنا، جام لگانا، روڈ اور راستہ بند کرنا، بازار بند کرنا یہ اور اس طرح کی حرکتیں عام ہوگئی ہیں، اور ان باتوں کی قباحت گویا کہ ملک سے، معاشرے سے، پبلک کے ذہن سے نکل گئی ہے۔

ملک کے کسی بھی گوشے میں کہیں پر بھی آر ایس ایس کے لوگ جو چاہے کریں، فساد کریں، ظلم وزیادتی کریں، معصوم لوگوں کی جانوں سے کھلواڑ کریں، بے گناہوں کو قتل کریں، ان کو نذر آتش کریں، اس پر سبھی سیاسی پارٹیاں، امن کے ٹھیکیدار چپ سادھ لیتے ہیں اور اس کو دفاعی عمل گردانا جاتا ہے یا حقوق کی حصولیابی کی جدوجہد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان دنوں ملک کی ایک گوجر برادری ملک میں اپنے زعم میں اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لیے تباہی مچارہی ہے، راستے بند کررہی ہے، جام لگارہی ہے، ریل کی پٹری اکھاڑ رہی ہے، ملک کو نقصان پہنچارہی ہے، پبلک کو پریشانی میں ڈال رہی ہے، بلکہ ملک کے مختلف حصوں میں ذات پات کی بنیادوں پر قائم سیناؤں کی طرز پر اب راجستھان کے گوجروں نے بھی اپنی فوج کھڑی کرلی ہے اور اسے ٹائیگر فوج کا نام دیا گیا ہے، ان تمام حالات کے پیش نظر حکومت کچھ نہیں کررہی ہے، بلکہ بعض سیاسی لیڈران یا پارٹی کے ذمہ داران وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کو گرفتار کیا جاتا ہے اور ان فسادیوں کو ملک میں امن وامان کو ختم کرنیوالوں کو کچھ نہیں کہا جاتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر مسلمان کہیں اپنے اوپر ظلم کو دیکھتے ہیں اور اس کے لیے کوئی دفاعی عمل شروع کرتے ہیں یا اپنے حقوق کے حصول کے لیے کسی طرح کی جدوجہد کرتے ہیں، یا آواز اٹھاتے ہیں تو ان کو دہشت گرد سمجھا جاتا ہے، ان کے ساتھ ناانصافی ہوتی ہے، اور ہر چہار طرف سے ان کے دفاعی عمل کو بھی ناحق اور ظلم سمجھا جاتا ہے، غرضیکہ کہیں کچھ بھی ہو، کوئی بھی کرنے والا ہو، اگر مسلمان کے علاوہ ہے تو وہ غلط کام بھی صحیح ہے، یا کم سے کم اس کے خلاف کوئی آواز اٹھانے والا

نہیں یا پھر اس غلط کام کی سوئی بھی مسلمانوں کی طرف گھمادی جاتی ہے۔

گویا کہ ملک ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں کہیں بھی کوئی غلط کام ہو تو اس کو مسلمانوں کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے، یعنی اس وقت دنیا میں سب سے خراب قوم، سب زیادہ ظالم لوگ، سب سے بڑے دہشت گرد اور سب سے زیادہ دنیا کو نقصان پہنچانے والے مسلمان ہی ہیں اور یہ عام ذہن ہے، یہ ایک ایسی سازش ہے اور اسلام اور مسلمان دشمنی کا ایسا پلان ہے جس کے پیچھے یہود ونصاری کی صدیوں کی محنت ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی جان کی، مال کی، عزت کی، آبرو کی سب کی بازی لگادی اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سب کچھ لٹا دیا، جس کے نتیجے میں اب حالت یہ ہے کہ پچاس سال سے پڑوس میں رہنے والا برادر وطن اپنے مسلمان بھائی سے ملتے ہوئے، بات کرتے ہوئے گھبراتا ہے، ڈرتا ہے، ایسی دہشت حقیقی دہشت گردوں نے پھیلا دی ہے، اور حقیقت کو ایسے بدل کے رکھ دیا ہے کہ جو امن وسلامتی والے، اور امن والے مذہب کے پیرو ہیں، ان کو امن کے ختم کرنے والے، دہشت گرد سمجھا جارہا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اللہ تعالی اس صورت حال سے مسلمانوں کو نکال دے، اور مسلمانوں کو بھی حقیقی مسلمان بنادے کہ یہی جیسے کیسے، ٹوٹے پھوٹے عمل کرنے والے تیرے نام لیوا ہیں، تیری وحدانیت کے گن گانے والے ہیں، بس تو ہی ان کی لاج رکھ لے اور ان کو دشمنوں کے شکنجے سے نجات دلا اور حق کے پرستاروں کا بول بالا فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

//////☆☆☆☆☆//////

دوائے دل

ملفوظات حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سیرت کسے کہتے ہیں؟:

حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے اخلاق وکردار کو سیرت کہا جاتا ہے، ان لوگوں کی سیرت دیکھی اور پڑھی جائے جنہوں نے کوئی خاص کام کیا ہو، جس کو لوگ پسند کرتے ہوں اور اس سے خوش ہوتے ہوں، بزرگوں کی سیرت وغیرہ ان سب میں سب سے بہترین اور عمدہ سیرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔

اللہ نے انسان کو کیا دیا؟:

اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا، اسی طرح فرشتوں کو بھی پیدا کیا، اسی طرح انسان کو اللہ نے عقل دی ہے اور جانوروں کو عقل نہیں دی ہے، انسان کو اللہ نے علم کی صلاحیت دی، جانوروں کو علم کی صلاحیت نہیں دی، انسان عقل کے ذریعہ سوچتا ہے اور علم کے ذریعہ جانتا ہے، اسی وجہ سے انسان اتنا ترقی کر گیا ہے، یہ سب اللہ نے اس لیے کیا کہ اللہ ہمیں آزمانا چاہتا ہے کہ میری بات مان کر چلتا ہے یا نہیں، ہمارا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں اور اللہ نے حکم دیا ہم جو پسند کرتے ہیں اس کو کرو، اگر نہیں کروگے تو عذاب دیا جائیگا، اگر کروگے تو انعامات سے نوازا جائے گا، یہی چیز دین ہے، جو شخص اللہ کو اپنا معبود اور رب مان کر اللہ کے بتائے ہوئے راستہ کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے، حلال کھاتا ہے اور عبادت بھی کرتا ہے، تو اس شخص کی سیرت ویسی ہے جیسے اللہ پاک چاہتا ہے، اس لیے انسان کو چاہئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو معلوم کرے، صرف معلوم کرنا ہی کافی نہیں؛ بلکہ اس کے مطابق اپنی زندگی چلانے کی کوشش کرے، دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے، اگر کوئی کسی کو ڈانٹ رہا ہے، جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ ڈانٹنے والا کون ہے اور کس کو ڈانٹ رہا ہے، ہم کو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ سکتا، اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو ڈانٹ رہا ہے تو دیکھنے والا سمجھ جائے گا کہ باپ ڈانٹ رہا ہے کہ کہیں برے حالات میں پھنس نہ جائے بلکہ اس کے حالات سدھر جائے اور صحیح راستہ پر چلنے والا بن جائے، حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اس بات پر نظر ڈالو کہ اس کی دینی حالت کیا تھی، دینی فطرت کا تقاضہ ہے کہ جس طرح کھانا پینا انسان کی فطری تقاضہ ہے، اللہ نے انسان کے اندر ایک مرکزی تقاضہ رکھا ہے، بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو ماں باپ کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے؛ لیکن بڑا ہوتا ہے تو سوچتا ہے کہ ان کی مدد محدود ہے، آگے بڑھ کر بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر وغیرہ سے رجوع کرتا ہے؛ لیکن اگر کوئی بڑی بیماری لاحق ہو جاتی ہے ڈاکٹر بے بس ہو جاتے ہیں اور بڑے ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے، یہیں پر انسان بھٹکتا ہے، انسان خود سے سوچتا ہے کہ کون سی طاقت ہے جو اس بیماری کو دور کر سکتی ہے، جو لوگ صحیح راستے سے نہیں سوچتے وہ بھٹک جاتے ہیں، اللہ نے انسان کو بڑی بڑی صلاحیتیں دی ہیں کہ انسان ان صلاحیتوں کو صحیح طریقہ سے استعمال کرے اور کوشش پر موقوف رکھا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کردہ سمجھ:

حضرت اقدس سیدی ومرشدی نے ارشاد فرمایا کہ میرے بھائیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ لوگ ستاروں سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں، کیا حقیقت میں وہ کچھ کر سکتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا تو دیکھا سب کسی چیز کے پابند ہیں تو آپ نے

کہا ہماری عقل ان کو نہیں قبول کرتی، پھر اللہ سے دعا کی کہ ہم کو سیدھے راستے پر لگا دے، چنانچہ ان کو ایسی سمجھ دی گئی کہ اللہ تک وہ پہنچ گئے۔

اللہ کا وحی کے ذریعہ انسانوں کو سمجھانا:

حضرت اقدس ومرشدنا نے ارشاد فرمایا کہ انسان جس کو بڑا سمجھتا ہے تو اس کی عظمت کرتا، اس کی عبادت کرتا ہے، اللہ نے وحی کے ذریعہ انسانوں کو سمجھانے کی کوشش کی، وحی کہتے ہیں آہستگی کے ساتھ کوئی بات کہنا، اللہ جو انبیاء کرام کو سکھاتا ہے وہ وحی کی باتیں کہلاتی ہیں انبیاء نے بتلایا کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو سب کچھ کرسکتا ہے، بہت کم لوگ عقل کو صحیح استعمال کرتے ہیں، جس نے سب کچھ کیا اس کو چھوڑ رہے ہو، جس نے تم پر احسان کیا اسی کو چھوڑ رہے ہو، انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کو سمجھایا، اللہ نے عام انسانوں سے بڑھ کر انبیاء کو اس سمجھ کی طاقت دی ہے، یہ خدا کی طرف سے آئے ہیں، اس کے پیغمبر ہیں؛ لیکن انہوں نے سمجھنے کے بجائے ان کی جان کے درپے ہوگئے، حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو یہودی مانتے ہیں کہ آپ کو پھانسی دے دی گئی ان کو بھی جھٹلایا، حالانکہ اللہ تعالی نے ان کو اٹھالیا تھا اور جب دنیا میں فسادات برپا ہونگے تو وہ اصلاح کے لیے آئیں گے اور دجال سے مقابلہ کریں گے، نئے نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے؛ بلکہ حضور اکرمؐ کی امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے حضور اکرمؐ کو بہت سی خصوصیات سے سرفراز کیا اور فرمایا "ومآارسلناك الا رحمة للعالمين"۔

دنیا کو انسان کی ضرورت کے لیے بنایا گیا ہے اور انسان کو اللہ کے احکام پر چلنے کے لیے بنایا، یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل دیکھ رہے ہو، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو پوری دنیا جو نظر آرہی ہے وہ نظر نہ آتی، اللہ کو انسان کی حرکت دیکھ کر نفرت ہوگئی تھی اگر اللہ تبارک وتعالی کے خلاف زندگی گزاروگے تو کیسے تمہیں باقی رکھے گا، نیکوں کے طفیل تیسرے لوگ زندگی عیش کے ساتھ گزار رہے ہیں، قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ" گویا کہ انسان اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے جارہے تھے، اللہ تعالی جو نظام چاہتا ہے اسے پورا کر دیتا ہے، ان حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو دو فائدے ہوئے انسانوں کو اللہ تبارک وتعالی دوبارہ سوچنے کی مہلت دی، سمجھنے کی مہلت دی اور زمین ودنیا کو ختم کرنے کے بجائے اس کو باقی رکھا، پانی کے معاملہ میں چھینا جھپٹی میں مقابلہ تک ہوجاتے تھے، اللہ نے انسان کو یہ چیزیں مہیا کی ہیں، یہ ان کے وجود کی بنا پر ہیں، کھانا بھی انسان کے لیے یہ بڑی نعمت ہے کہ اسکی نعمتوں کا اچھے برے سب فائدہ اٹھا رہے ہیں، یہ اسی نے نظام بنایا ہے، سب کا سب ڈھونڈ کر اس کو معلوم کرے کہ انسان کو علم دیا ہے اگر یہ نہ ہوتو جس کے پاس علم ہو بس اسی کے پاس رہے اور وہ ختم ہوجائے گا، دوسروں تک نہیں پہنچ پائے گا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح راحت نہیں ملتی تھی، ہروقت امت کی اصلاح کی فکر میں رہتے تھے کہ کیسے اس دنیا سے بدعات وخرافات ختم ہوجائے اور دین اسلام دوسروں کے اندر کیسے عام ہوجائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی راحت کو چھوڑ کر ہم تک دین کی رسائی کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وکردار دیکھ کر اسلام کے اندر بلوغ ہوا ہے، یہ ہدایت جو ہم کو دین کی شکل میں ملی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ملی ہے۔

انسان کو کیوں پیدا کیا ھے؟

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق ان چیزوں کو حاصل کرلے، دراصل انسان کی جو ضرورت ہے اسکو زمین پر رکھ دیا گیا ہے اور انسان کو زمین پر اس لیے اتارا ہے تاکہ وہ اللہ تعالی کی پوری فرمانبرداری کرے، اللہ نے زندگی دی ہے، صلاحیت بھی دی ہے، تو کیوں ہم اس کے حکم کی خلاف ورزی کریں؛ لیکن پھر بھی انسان اپنے خالق ومالک کو نظرانداز کرکے ادھر ادھر کی چیزوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، اگر تم ایسی زندگی بسر کروگے تو ہم دھیان کچھ نہیں دیں گے، اگر کچھ کام نہیں کئے ہوگے تو ہم کچھ

نہیں دیں گے، باری تعالی نے خزانہ کھول دیا ہے، جتنا لینا چاہو لے لو، پھر ضلالت کو دور کرنے کے لیے نبی آئے ہیں اور اگر کہا کہ تم ایسے کام نہ کرو، جنت کا راستہ اعمال کی بنیاد پر ہے، پہلے تم رب کو مانو، گویا کہ رب العالمین نے ان کو نظر انداز کر کے کہا، جاؤ جس طرح چاہو تم زندگی گزارو، پھر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے محنت کی اور دین کی خدمت پھر سے انجام دینے لگے اور یہ ایسا دین ہے جو تا قیامت دائم رہے گا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں آپ کو پیدا کیا تھا اور حضرت ابراہیم کو بچپن ہی سے بتوں سے نفرت تھی اور لوگوں کو دیکھتے تھے ان کی پوجا کرتے ہوئے، کچھ مورتیاں سورج کی پوجا کے نام سے مشہور ومعروف تھی، واسطہ سے مانگنا یہ دھوکا ہے، اور واسطہ سے ہی شرک پیدا ہوتا ہے، اللہ عزوجل کو چھوڑ کر غیر اللہ کی طرف دھیان لگ جاتا ہے کہ بچپن ہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کو سمجھایا کہ جو باختیار ہوتا ہے وہ کہیں جاتا نہیں ہے، وہ دائم رہتا ہے، اللہ تعالی نے ان کو پھر آزمایا اور امتحان لیا کہ ان کو آگ میں ڈال دیا گیا تو آگ کی کیفیت نے اثر نہیں کیا، میرے بھائیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تو فکر یہ تھی کہ مر جائیں تو مر جائیں لیکن توحید کو نہیں چھوڑیں گے، غرضیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نتیجہ نہیں دیکھ رہے تھے۔

میرے بھائیو! جزیرۃ العرب کے لوگ بہت مشقت سے زندگی بسر کرتے ہیں، وہاں وہی شخص رہ سکتا ہے جو مشقت برداشت کرے، یہاں کے لوگ غرور وتکبر سے محفوظ رہتے ہیں جو کہ شرک تک پہنچا دیتا ہے، ان کے یہاں دھوکہ بازی ونفاق نہیں ہے، تمدن میں نفاق آجاتا ہے، میرے بھائیو! اللہ تعالی نبی بھیجتا ہے تاکہ برائیوں کو ختم کریں کیونکہ وہ لوگ اس طرح گمراہ ہو جاتے ہیں کہ جانور تک پیچھے رہ جاتا ہے، تو اللہ تعالی کے سامنے یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ ان کو ہلاک کر دیا جائے، یا ان کو باقی رکھا جائے، یا ان کی اصلاح ہو اور اصلاح ہی چاہتا ہے یہ اللہ کے بہت فضل وکرم سے ہوتا ہے ان کی اصلاح کے لیے پیغمبر بھیجے گئے؛ لیکن لوگوں نے کہنا نہیں مانا تو ان کو اللہ رب العزت نے نیست ونابود کر دیا۔

میرے بھائیو! اللہ تعالی نے انسان میں ہی یہ خصوصیات دے رکھی ہے، اسی بناء پر اس کو تمام مخلوقات سے ممتاز بنایا ہے اور وہ ایسے وسائل باور کر لیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خدا قرار دیتا ہے تو انسانی تاریخ میں ایسے لوگوں کے واقعات ملتے ہیں۔

میرے بھائیو! اللہ رب العزت نے انسان کو بڑی بڑی صلاحتیں دی ہیں اگر اس کو صحیح طریقے سے استعمال کر لے، اور علم دیا ہے کہ اسکو بڑھانے اور ترقی دینے کی صلاحیتیں دی ہیں، فطری اور بنیادی صلاحتیں دی ہیں، ارشاد ہے "وان لیس للانسان الا ما سعی" کہ اللہ نے انسان کو اس کی کوشش وجدوجہد پر موقوف کیا ہے، یہ بننا شروع ہوتا ہے، پیدائش کے وقت سے کسی انسان کو اچھا ماحول ملا تو اچھا بنے گا، اگر برا ملا تو برا ہوتا ہے، اس کے جسم واعضاء میں اسی کی صلاحیت کو رکھا ہے، حالات جیسے ہوں گے ویسا بن جائے گا، کسی شخص کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اس کے حالات کو اس کے خاندان کو جاننے کی ضرورت پڑتی ہے، اسی لیے اسے اصل حالات میں دیکھ کر اسی کو معروف کیا جاتا ہے، نبی انسان ہوتا ہے اور فرشتہ ان تک ان کے پیغام کو من جانب اللہ لے کر آتا ہے، ہر چیز اس خدائے باری تعالی کے کہنے سے ہوتی ہے کچھ انسان تکلیف کو برداشت کرنے والے ہوتے ہیں اور کچھ عمل نہیں کرنیوالے ہوتے ہیں۔

میرے بھائیو! دنیا میں جو زندگی گزارنے کی صلاحیت ہوتی ہیں، اس کو اللہ تعالی نے ہر ایک انسان کو نوازا، سفر وحضر میں دشواریاں ہیں اور تکلیف میں زندگی گزارتے ہیں جو عیش وعشرت میں زندگی گزار رہا ہے اس کی پوچھ تاچھ ہو سکتی ہے۔

میرے بھائیو! یہ ایک کارخانہ ہے جس سے تمام چیزیں مہیا کی جاتی ہیں اور سارا نظام اسی کی طرف وابستہ ہے، کہ کتنا مال بن سکے گا کیا سہولیتیں اور مصیبتیں درپیش ہوں گی۔ ﴿بقیہ صفحہ ۱۳/ پر﴾

جائزہ

تیسری قسط

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے تجدیدی کارنامے

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی

بیسویں صدی عیسوی میں پوری دنیا کے لیے جو سب سے بڑا چیلنج بن کر مسئلہ سامنے آیا وہ مغربی فکر وفلسفہ کا حملہ تھا، جس نے ترکی اور مصر پر سب سے پہلے حملہ کیا، مصر اس وقت عالم اسلام کا تہذیبی، ثقافتی اور علمی بلکہ فکری مرکز بھی بنا ہوا تھا، اور ترکی خلافت اسلامیہ کا مرکز تھا جس کی رسی میں سارے ممالک اسلامیہ بندھے ہوئے تھے، مغربی فکر وتہذیب اوراس کے فلسفہ ثقافت سے ان دونوں اسلامی مرکزوں کا متأثر ہونے کا مطلب پورے عالم اسلام کا اس کی لپیٹ میں آجانا تھا کہ ایک کی تسخیر سیاسی وثقافتی تھی اور دوسری کی تہذیبی فکری وعملی تسخیر تھی، دوسری عالمی جنگ Second world war کے بعد عرب دنیا پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہونے اور یورپین تہذیب وثقافت اور فکر وفلسفہ کو قبول کرنے کا ایسا رجحان عمومی طور پر پیدا ہوگیا کہ مسلمانوں کا اپنے اسلامی کلچر پر جو اعتماد وتعلق تھا متأثر ہوئے بغیر نہ رہا، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ۱۹۴۷ء کے بعد جب دوسری بار ۱۹۵۰ء میں دعوتی وتبلیغی مقاصد کے تحت ایک طویل المدتی سفر حجاز مقدس کا کیا اور پھر وہ مصر وشام بھی اسی موقع پر گئے، ان کو ان حالات نے ایسا تڑپا دیا کہ انہوں نے ایک ایک کا دامن پکڑ کر سمجھانے کی کوشش شروع کی اور حالات کے نئے رخ میں علماء کی جو ذمہ داری بنتی ہے اس سے آگاہ کیا، تقریریں کیں، مضامین لکھے، ملاقاتیں کیں، خطوط مختلف اصحاب فکر ودعوت کو لکھے، یہ سب انہوں نے اس لیے کیا کہ مغربی تہذیب اور فکر وفلسفہ کا یہ حملہ ایک ایسا سیلاب بن کر آرہا تھا، جس کی زد میں علاقوں کے علاقے، نسلوں کی نسلیں آرہی تھی، اس کا جس طرح ادراک مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اس کو انہی کے الفاظ میں سمجھئے!

''حجاز کے قیام کے دوران اس کا بہ شدت احساس ہوا کہ مغربی تہذیب عرب ممالک کو پورے طور پر متأثر بلکہ مفلوج کرچکی ہے، اور جزیرۃ العرب اور حجاز مقدس کے (جس سے دنیا کو ایمان واسلام کی روشنی ملی اور ایک ایسی امت کا ظہور ہوا جو زمانہ کی امامت کے لیے پیدا کی گئی تھی) تعلیم یافتہ نوجوان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، اقبال نے گویا ان ممالک کو دیکھ کر کہا تھا

فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہوگئے پانی

میں نے ستمبر ۱۹۵۰ء کی کسی تاریخ کو بھائی صاحب کو حجاز سے ایک خط لکھا تھا، جس میں اس انقلاب حال اور اپنے رنج وتأثر کا اظہار کیا تھا اس خط کو آج بھی پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حقیقت حال کی ایسی سچی تصویر اس وقت موئے قلم سے کیسے کھینچ سکا، جب کہ وہاں بار بار حاضر ہونے اور طویل قیام کی ابھی نوبت بھی نہیں آئی تھی، اس کا ایک متعلق اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:

''۱۹۴۷ء میں جب ہم پہلی بار یہاں آئے تھے، اب ۱۹۵۰ء میں آئے ہیں، تین برسوں میں کھلا ہوا تغیر محسوس ہوتا ہے، بازار سے لے کر لوگوں کے دماغوں تک مغربی تمدن، تجارت، معاشیات اور افکار وخیالات کے پنجے اور زیادہ گڑ چکے ہیں، جدہ اترتے ہی اس کا احساس ہوتا ہے اور جس قدر حالات سے واقفیت ہوتی ہے اتنا ہی اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، کوئی نہیں جانتا خوبصورت عربی لباس میں کتنے دل

ودماغ خالص مغربی بن چکے ہیں، اورقرآنی زبان کتنے مغربی خیالات اورخالص مادی تخیلات کا ذریعہ اظہار بنتی ہے، معاش کا انہاک دولت آفرینی کی عادت، بحرانی حدتک پہنچ چکی ہے، زندگی کا تصوراس کے بغیران کے نزدیک ممکن نہیں کہ اس کے سایہ میں پناہ لی جائے اورترقی کی جائے، عالم اسلام کا قبلہ مکہ معظّمہ اور بیت اللہ ہے، اورمرکز اسلام کا قبلہ سردست امریکہ ہے، وبائے عالم کی طرح اس کا اثر فضاء اور ہوا میں ہے، اس کے مقابلہ میں ہماری حقیر کوشش، چند کتابیں، جماعتوں کے گشت، نقل وحرکت بالکل وہ حیثیت رکھتی ہے جو کسی سمندر میں ٹھیکریاں پھینکنے سے ہلکے تموج کی حیثیت ہوتی ہے، ادھر ملاقاتوں اجتماعات اور چند شخصیتوں کی اتفاق واستحسان سے غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، حقیقت میں ان کی حیثیت تلاش وجستجو سے زیادہ نہیں ۔ (کاروان زندگی حصہ اول صفحہ ۳۵۸/۳۵۹)

مولانا کا ساز پہلے ہی چھڑ چکا تھا، انہوں نے ۱۹۴۷ء کے سفر حجاز میں عالم اسلام کو درپیش خطرات کا احساس کرلیا تھا"الی ممثلی البلاد الاسلامیہ" کے نام سے بڑا ہی فکر انگیز مقالہ لکھ کر نوجوانان عرب کو جھنجھوڑ نے کا کام پہلے ہی کر چکے تھے، اور جن کے ہاتھ میں زمام اقتدارتھی ان کو چوکنا کر دیا تھا، اس کے دوسال بعدان کے ایک فاضل دوست اور مفکر وداعی مولانا مسعود عالم ندوی کا سفر عراق ہوا، ان کو جو مکتوب روانہ فرمایا وہ دعوت وجہاد اور قربانیوں کی نہ صرف ایک تاریخ بیان کرتا ہے بلکہ موجودہ حالات میں اسی تاریخ کو دہرانے کا عزم دلاتا ہے، مولانا کا حال خودان کی زبانی سنئے:

''حجاز سے ۱۹۴۸ء میں واپس ہوا تو عربوں کو ان کی زبان میں اسلام کی طرف بازگشت کی دعوت اور عالم اسلام ہی میں نہیں، انسانی دنیا میں داعیانہ وقائدانہ کردارادا کرنے اوراپنا قدیم منصب سنبھالنے کی دعوت دل ودماغ پر چھاگئی اوراعصاب پراس طرح مستوی اورحاوی ہوگئی کہ اسی کو اپنی زندگی کا مقصد وموضوع بنالینے کا خیال آنے لگا، میرے اس جوش وجذبہ کا کچھ اندازہ اس خط سے ہوسکتا ہے، جو میں نے اپنے عزیز ومحترم دوست مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کو ۶رشوال ۶۸ھ (۳راگست ۱۹۴۹ء) کو اس وقت لکھا جب وہ عراق میں تھے، اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:

''دین کی تخم ریزی کے لیے اس گشت ویراں میں کوئی دقیقہ نہ اٹھار کھئے، صحبت تمام کردیجئے، دن رات ایک کردیجئے، دل جلائیے اور بدن کو گھلائیے، خون دیدہ اورخون جگر بہائیے اوراس طرح بہائیے کہ دجلہ وفرات اپنی تنگ ظرفی اور کم مائیگی پر ماتم کریں، ایک ایک کا گریباں تھام کر کہئے کہ اے صحرائے عرب کے بھٹکے ہوئے آہو! اے عالم کی آبرو! اے ابراہیم ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو! تو کہاں گم ہو؟ کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دعائے نیم شبی اورآہ سحرگاہی، مثنیٰ بن حارث کے خون شہادت، ابوعبید الثقفی کی پامالی اور استخواں شکنی کی علمبرداری، علی بن اَبی طالب کی جگرسوزی، اشک ریزی اورخطابت وتاثیر کی طوفان خیزی، آبروئے شہیداں، جگر گوشۂ رسولؐ کی تشنگی اورخاندان رسالت کے خون کی ارزانی، ابوحنیفہؒ کی دماغ سوزی، احمد بن حنبل کی تعزیر جرم عشق، ابن جوزیؒ کی حمایت سنت، عبدالقادر جیلانیؒ کی دردمندی کا حاصل صرف یہ ہے کہ تو ائمہ ضلالت کا ادنی غاشیہ بردار اوراس کے راہ کا غبار ہے، عراق کے اس مقبرہ میں صور پھونک دیجئے اورشور قیامت برپا کیجئے کہ

گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ دربطحا

(کاروان زندگی جلداول صفحہ ۳۵۱/۳۵۲)

درحقیقت مولانا کے قلب ودماغ پر عالم عرب کے حالات اوران کو درپیش ایمانی، تہذیبی، ثقافتی اورفکری خطرات ایسے مستوی تھے کہ ان کو جہاں اورجس طرح موقع ملتے وہ ان کو آگاہ کرتے اورمومنانہ کرداراور اسلامیانہ طرز جہات کواختیار کرنے پرزوردیتے کہ حال میں کامیابی کا انحصار دین محمدی پر چلنے میں ہی ہے''من غارحرا'' کے عنوان سے ایک تقریر سعودی ریڈیو پراس سفر میں کی جس میں یہ یقین دلایا کہ اسلام کی صبح صادق کے طلوع سے دنیا میں کیا روشنی پھیلی، انسانیت کے الجھے ہوئے

مسائل کا کیا حال عمل میں آیا اور اس کے مختلف النوع اور کثیر التعداد فتنوں کی کون سی کلید مہیا ہوئی، جو آج بھی حیات انسانی کی شاہ کلید ہے، درس گاہ نبوت نے مختلف ضرورتوں کے لیے کیسے انسانی ماڈل تیار کر کے ان کو زندگی کے ہر ہر محاذ پر کس طرح متعین و مامور کیا اور انہوں دنیا میں کیا انقلاب برپا کیا، فلسطین کے مسئلہ کے تعلق سے دمشق (شام) میں وہاں کی ممتاز شخصیات اور سربرآوردہ لوگوں (جن میں ممبر پارلیمنٹ، اسپیکر، سفراء، اساتذہ ومفکرین ومصنفین جمع تھے) کے سامنے کہا کہ عرب حکومتوں اور قوموں میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا، جس کے دل ودماغ پر فلسطین کا مسئلہ چھا جائے اور اس کی صلاح الدین ایوبی کی طرح وہ کیفیت ہو جائے جس کو ان کے سکریٹری ابن شداد نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ''معلوم ہوتا تھا کہ ماں کی گود اس کے اکلوتے بچے کو کسی نے حلال کر کے ڈال دیا ہے'' فلسطین کا مسئلہ جب کبھی حل ہوگا اسی طرح حل ہوگا، کانفرنسوں، ریزولیشنوں اور خوشامدوں سے حل نہیں ہوگا، مولانا نے یہ بات آج سے ۵۸/سال قبل کہی تھی جس کو آج صرف مسلم حکومتیں ہی نہیں پوری دنیائے انسانیت تسلیم کرنے پر مجبور ہے، جب کہ اسرائیلی بربریت اپنے عروج کو پہنچ چکی ہے، مصر میں اصحاب فکر ودعوت کو متوجہ کیا کہ مصر مشرق اور مغرب کے نقطۂ اتصال پر واقع ہے اور جہاں دو تہذیبیں آ کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتی ہیں، نیز یہ کہ اس وقت معنوی اور فکری نہر سوئز کی ضرورت ہے جو مشرق ومغرب میں خوددارانہ اور مساویانہ تبادلہ کا ذریعہ بنے، مشرق کی بہترین چیزیں جن میں سب سے قیمتی اسلام کا پیغام ہے مغرب کو دے اور مغرب سے ان چیزوں کو لے جن میں اس کو سبقت اور فوقیت حاصل ہے، یعنی ٹکنالوجی اور جدید علوم وصنائع، مزید انہوں نے مصر کو مردانگی کے اوصاف، اسلامی اخلاق اختیار کرنے اور ان چیزوں سے اپنی حفاظت کرنے کی دعوت دی جو گزشتہ قوموں کے زوال اور صفحۂ ہستی سے مٹ جانے کا سبب بنے، اور بحیثیت ملک کے اس کو داعیانہ اور قائدانہ کردار ادا کرنے کو کہا۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے نہ صرف خطرات اور اندیشوں کا ادراک فرمایا بلکہ اس سے حفاظت کے طریقے بھی بتائے اور علاج کے لیے نسخہ بھی تجویز کیا، اس عہد کی عالم اسلام کی بڑی مجاہد داعی، شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جب ان حالات کا اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی مساعی اور فکر ودعوت کا علم ہوا تو انہوں نے ان کے مربی وبرادر اکبر مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی صاحب کو ایک بشارتی مکتوب روانہ فرمایا، جس میں ان کی اس ناحیہ سے تجدیدی خدمات کا بھی لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، مکتوب ملاحظہ ہو!

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج مبارک، والا نامہ باعث سرفرازی ہوا

مولوی علی میاں صاحب کی خبریں روسائے تبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب اور دیگر حضرات سے معلوم ہوتی رہتی تھیں، مگر آپ کی تحریر سے تفصیلات معلوم ہوئیں اور مزید اطمینان ہوا، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ کریم کارساز موصوف کو مفتاح خیر اور مغلاق شر بنائے اور حضرت سید صاحب شہید قدس اللہ سرہ العزیز کی تجدید ملت اسلامیہ کی خدمت علیّہ کا علمبردار بنا کر نعمائے لدنّیہ سے مالا مال کرے۔ آمین

والسلام

ننگ اسلام

حسین احمد غفرلہ

۱۵/ربیع الاول ۱۳۷۰ء

مولانا ممالک عربیہ کے اہم دعوتی وفکری دورے سے واپس آنے کے بعد اپنی تحریروں کے ذریعہ ان ممالک سے جڑے رہے، اور ان سے دعوتی وفکری رشتہ کو تاعمر کمزور نہ پڑنے دیا، اور عربوں نے بھی ان کی کتابوں تحریروں کو بڑی توجہ کے ساتھ پڑھا اور سمجھا، دوسری طرف مولانا ہندوستان میں دین اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کی فکر میں پوری تندہی سے لگ گئے، اس کے ساتھ ان کو اس ضرورت کا بھی شدید احساس ہو چلا کہ غیر مسلموں یعنی برادران وطن کو اسلام کے صحیح مفہوم وپیغام سے متعارف کرانے کا بھی

سلسلہ ہونا چاہئے کہ ان کے اسلام سے مانوس ہوئے بغیر مسلمانوں کا ایمان سلامتی سے رہنا دشوار گزار کام ہوگا۔

مسلمانان ہند کو بھی مغرب کی تہذیبی وفکری یلغار کا سامنا تھا، اس کے لیے مولانا نے دانشور طبقہ کی فکری رہنمائی کے لیے لٹریچر تیار کرنا ناگزیر سمجھا اور مستقلاً ایک ادارہ کا قیام بھی عمل میں لائے، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے نام سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں یہ ادارہ کام کر رہا ہے مولانا نے ایسی کتابیں بھی شائع کرائیں کہ جن کے مطالعہ کے بعد جدید فلسفہ اور جدید سائنس سے نوجوان طبقہ متأثر نہ ہوسکے، چنانچہ مذہب وسائنس کے نام سے اس موضوع پر بڑی معرکۃ الاراء کتاب مولانا عبدالباری ندوی کے قلم سے سامنے آئی جسے اسی ادارہ نے شائع کیا، مصنف نے اس کام کے منظرعام پرآنے کے لیے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خصوصی شکریہ ادا کیا، بلکہ اس کتاب کو ان کی بھی برکات کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔

مغربی فکر وفلسفہ کا مقابلہ مولانا کا ایک عظیم کارنامہ ہے، اس سلسلہ میں مولانا کا عربی رسالہ ''ردۃ جدید المسلمون'' (دمشق) کے اداریہ کے طور پر شائع ہوا تھا اور بعد میں ''ردۃ ولا ابا بکر لہا'' (فتنہ ارتداد ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی ابوبکر نہیں) کے عنوان سے مستقل رسالہ کے طور پر شائع ہوا خصوصیت سے قابل ذکر ہے، اور یہی رسالہ ایک بڑے اشاعتی وتحقیقی ادارے کے وجود اور مغربی فکر وفلسفہ کے مقابلہ کے لیے باقاعدہ محاذ قائم کرنے کا باعث ہوا، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس رسالہ کے متعلق خود اپنے تأثر کا اظہار بلکہ اظہار تشکر یوں کرتے ہیں:

''یہ مضمون دو قسطوں میں ''ردۃ جدیدۃ'' اور ''دعوۃ جدیدۃ'' کے عنوان سے ''المسلمون'' میں شائع ہو، بعد میں یہی ایک مستقل رسالہ کی شکل میں ''ردۃ ولا ابا بکر لہا'' کے عنوان سے شائع ہوا، جو مختلف وقتوں میں اور مختلف اداروں کی طرف سے ہزاروں کی تعداد میں طبع ہوا اور منی وعرفات تک میں اس کی تقسیم ہوئی، غالباً راقم کا کوئی مضمون، رسالہ یا کتاب اتنی بڑی تعداد میں نہ شائع ہوئی، نہ اثر انداز، اردو میں اس کا ترجمہ مولوی عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب مدیر ''الفرقان'' پھر رسالہ کی شکل میں کئی بار شائع ہوا، اس مضمون کے لکھنے اور شائع ہونے کے بعد شدت سے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس اعتقادی اور تہذیبی ارتداد اور اس کی فکری واخلاقی انتشار کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مستقل مجلس کی تاسیس ہونی چاہئے، جو اس کام کا بیڑا اٹھائے، اور اس کو اپنا موضوع بنائے، چنانچہ مئی ۱۹۵۹ء میں ایک صاحب خیر (ایچ ایم حسین احمد حیدآبادی صاحب) کی ایک ہزار کی رقم سے اس کی تاسیس مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے نام سے عمل میں آئی۔

اور جب یہ ادارہ مختلف موضوعات پر خصوصاً مغربی فکر وفلسفہ کے اثرات کو دور کرنے کے لیے بڑا وقیع لٹیریچر اور کثیر تعداد میں مطبوعات شائع کر چکا ہے، جس کے اثرات یورپ، امریکہ، جنوبی افریقہ اور عرب ممالک میں پہنچے، بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ''یہ سب کام محض تائید الٰہی سے ایسے تھوڑے سرمایہ اور ایسے محدود ومختصر عمل کے ذریعہ وجود میں آیا جس پر آسانی سے یقین کرنا مشکل ہے''۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ممالک اسلامیہ کے قائدین میں بعض کے افکار ونظریات کا سخت احتساب بھی کیا، جب ان کو یہ محسوس ہوا کہ ان کا ظاہری طرز عمل ان کے باطنی فکر ونظریہ سے نہ صرف متصادم ہے بلکہ ان کے اعلانات واقدامات خودغرضانہ اور مفاد پرستانہ ہے جس سے اسلامی کاز کو نقصان تو پہنچ سکتا ہے مگر فائدہ پہنچنے کا نہیں اور یہ طریقۂ کار مغربی تہذیب اور فکر وفلسفہ کو تقویت پہنچانے کے باعث ہوگی اور اسلامی اقدار کو نقصان پہنچے گا، اس کے لیے انہوں نے ممالک اسلامیہ کے جن زعمائے وقائدین کو آڑے ہاتھوں لیا ان میں خصوصیت سے لیبیا کے صدر کرنل معمر قذافی کی شخصیت بھی ہے، جن کے بعض اعلانات واقدامات سے ایک بڑا دینی طبقہ ان سے متأثر وقریب ہوتا دیکھائی دے رہا تھا، مگر مولانا اس کو عالم اسلام اور دینی فکر ومزاج کے لیے ایک بڑا خطرہ تصور کر رہے تھے، مولانا سید واضح رشید

حسنی ندوی نے تحریر فرمایا ہے:

''مسلم زعماء اور اہل فکر کرنل قذافی کی نام نہاد اصلاحات کی مسموم (زہریلی) لہروں کو محسوس نہ کر سکے اور ان لوگوں نے اس کو سامراج کا دشمن، اسلام کا ہیرو اور اسلام و مسلمانوں کا نجات دہندہ تصور کیا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عوام و خواص کی رائے تبدیل ہوتی گئی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ کرنل معمر قذافی کی فکر میں انقلابیت کا شروع سے غلبہ رہا، انہوں نے جو اقدامات کئے وہ انقلاب کی روح سے متأثر تھے، جمال عبدالناصر کے انتقال کے بعد سے خاص طور پر ان کو عالم عربی میں خلا محسوس ہوا، جس کو پر کرنے کے لیے انہوں نے صرف اپنے کو اہل پایا، اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ برابر کوشاں رہے، نیز اس نے ابتداء ہی سے یہ اندازہ لگالیا کہ یہ عہد اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا عہد ہے، اس لیے اس نے شروع سے اپنے کو اس نشأۃ ثانیہ کا قائدہ تصور کرلیا، لیکن انقلابی ذہن، تربیت وتعلیم کی کمی، مغربی افکار کے اثر سے جس کے سایہ میں ان کی پرورش ہوئی تھی، لیبیا کی دولت اور اس کی سیاسی جغرافیائی اور اقتصادی اہمیت کے باعث اور حد سے بڑھی ہوئی، خود اعتمادی کی وجہ سے اس نے یہ تصور قائم کرلیا کہ وہ اسلام جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، اس انقلابی عہد کا ساتھ نہیں دے سکتا، اس لیے اس نے اسلام کو اپنے انقلابی ذہن کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی، تاکہ اس سے وہ ایسے اسلام کا ایڈیشن تیار کرے جو اس عہد کے پورے مغربی نظام کے ساتھ چل سکتا ہو''۔(تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر)

مولانا واضح رشید ندوی (خواہرزادہ حضرت مولانا علی میاں ندوی) حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اعتدال اور جرأت مندانہ موقف کو واضح کرتے ہوئے جو انہوں نے مغربی تہذیب اور اس کے فکر وفلسفہ کے مقابلہ کے لیے اختیار کیا تھا لکھتے ہیں:

''مغربی تمدن کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا موقف منفرد اور جداگانہ تھا، ان کا موقف دیگر علماء کرام اور مفکرین عظام کے نظریہ سے یکسر مختلف تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بحث وتحقیق کا موقف تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مغربی تمدن کی ہر قابل قبول چیز کو قبول کرلیا جائے جو اسلامی ممالک اور معاشرہ کے لیے مفید ہو، اس کے عقیدہ ونظریہ سے ہم آہنگ ہو، لیکن اسلام کی روح اور اس کی تعلیمات کی منافی چیز سے قطعی کنارہ کشی اختیار کی جائے''۔(تعمیر حیات مفکر الاسلام نمبر)

مولانا کی سب سے پہلی فکری اور دعوتی تصنیف جس نے انہیں پورے عالم عرب میں متعارف کرایا بلکہ اس کے ذریعہ از سرنو اسلام کی طرف آنے کی دعوت دی اور تمام مشکلات ومسائل کا حل اسی کے بنائے ہوئے دستور حیات اور افکار وتعلیمات میں اس طور پر بتایا کہ جب کبھی بھی اسے پس پشت ڈالا گیا تو دنیائے انسانیت کو طرح طرح کی ظلمتوں میں گھرنا پڑا ہے، اس لیے جب جب دنیا کو بھاری نقصان پہنچا ہے مسلمانوں کے تنزل سے پہنچا، دنیا کی بقا کا ضامن اسلام ہے اور اس کی کشتی کے ناخدا سچے مسلمان ہیں، دنیا کو جو بھی خیر پہنچا ہے وہ مسلمانوں سے ہی پہنچا ہے، اور علم وحکمت جو بات جہاں کہیں ہے وہ مسلمانوں کا گمشدہ مال ہے، مسلمانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنا گمشدہ مال حاصل کریں ''الحکمۃ ضالۃ المومن'' کی حقیقت دلوں میں بٹھائی اور ہر زمانہ میں اور ہر جگہ اسلامی تعلیمات کے لاہی رہنما تعلیمات ہونے کا عقیدہ ذہن ودماغ میں جاگزیں کیا، مولانا نے عرب وعجم کی چوٹی کی شخصیات سے فیض یاب ہونے کے بعد میدان دعوت وفکر میں قدم رکھتے ہی اس تجدیدی عمل کو اختیار کیا اور اپنی تحریروں وتقریروں میں اس کو موضوع بنایا، ان کی پہلی ہی انٹرنیشنل تصنیف ''ماذا خسر العالم'' (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر) نے پورے عالم اسلام میں روح پھونکنے کا کام کیا، علامہ یوسف قرضاوی کی شہادت واعتراف کوئی معمولی شہادت نہیں ہے، انہوں نے ان کی زندگی میں اور پھر وفات کے بعد بھی بڑی قوت اور وضاحت سے یہ بات کہی کہ یہ کتاب اسلامی نقطۂ نگاہ سے تاریخ اسلامی اور عالمی تاریخ کی نئی نئی

راہیں کھولنے والی تھی اور اس کتاب میں ایک مصلح ومجدد داعی ومؤرخ کی دوراندیشی اور باریک بینی کارفرما تھی، جو تاریخ پر خاصی دسترس رکھتا ہو اور تاریخ کو اپنے مقاصد اور پیغام کے لیے کس طرح استعمال کرنا چاہئے، اسے خوب پتہ ہو، اپنی اسی انفرادیت وامتیاز کی وجہ سے یہ کتاب مجھے بےحد پسند آئی''۔(تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر)

کویت کی ایک عظیم دعوتی وفکری شخصیت شیخ نادر عبدالعزیز النوری نے حضرت مولانا کی وفات کے بعد اپنے تأثرات میں کہا کہ:

''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عصر حاضر کے ایک مجدد تھے، انہوں نے اپنے قلم سے دعوت کے میدان میں جہاد کیا، دین محمدی کو غیروں کی تاویلات اور تحریفات سے بچایا، اسلام کی سچی دعوت وتعلیم کو ہندوستان میں خصوصاً عرب ممالک میں پیش کیا''۔(تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر)

اور قطر کی مشہور اور بلند مایہ علمی شخصیت شیخ قرہ داغی نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں کچھ ہی دن پہلے اپنی آمد کے موقع پر علمائے کبار کی موجودگی میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ جسے ہم نے خود سنا کہ ''کان مجددا'' کہ وہ اس دور کے مجدد تھے۔

بلاشبہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں، تقریروں، ملاقاتوں، مراسلات، سبھی پیغام پہنچانے اور بات کہنے کے وسائل وذرائع کے ذریعہ اس فکر وپیغام سے جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آیا ہے، دل ودماغ کو مطمئن کرنے اور اسلامی طریقہ کار کو ہی اختیار کرکے آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی کامیابی وکامرانی حاصل کرنے کا اعتماد وجذبہ پیدا کرایا، بھلے مغرب کو اپنی تہذیب وثقافت کو عام کرنے کے ایسے تیز رفتار وسائل وذرائع ہاتھ آ گئے ہیں جس کے کیچڑ میں ہاتھی بھی پھسلے جارہے ہیں؛ لیکن دنیا کو یہ یقین ہو چلا ہے کہ یہ تہذیب وثقافت شیطانی ہے اور یہ پوری دنیا کے لیے تباہ کن ہے اور اسلامی تہذیب وثقافت ہی وہ واحد علاج ہے جو اس کے مضر اور مہلک اثرات سے دنیائے انسانیت کو بچا سکتی ہے۔

//////☆☆☆☆//////

﴿بقیہ پچھلا صفحہ ۷ کا......﴾ تفریح میں لگ گئے تو پتہ نہیں چلے گا کہ کتنا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے اور دنیا کی نگرانی باہر سے ہو رہی ہے، تو انسان کو اس کام کے لیے مہیا کر دیا ہے، کیا نتائج ہوتے ہیں تمہارے دنیا کے اندر، اسی نے انسان کے مطابق اپنے کام مہیا کر دئے ہیں، پھر نتائج اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوں گے، اور اللہ رب العزت اس کی عمریں مقرر کر دی ہیں کہ فلاں کو اتنی زندگی دی گئی ہے، یہ اللہ رب العالمین نے بتائی نہیں ہے پھر نسلیں آرہی ہیں اور جارہی ہیں، ان سے پوچھا جائے کہ تم نے عمر کس کام میں خرچ کی، احکام پر تم کتنا چلے یہ سب پوچھیں گے، نابالغ کی عمر کا ہم تم سے تقاضہ نہیں کرتے ہیں بلکہ میں تم سے بلوغ کے بعد کا سوال کر رہا ہوں کہ تم نے کتنا عمل کیا؟ ضرورۃً اور لایعنی کام میں کتنا مشغول رہے کہ تمہیں جتنا وقت دیا گیا ہے اس میں اعمال صالحہ کر کے جو تمہارے سامنے ہے وہ کام کرے تمہیں جانا ہے کہ یہ دنیا تفریح کی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ امتحان گاہ ہے اور اللہ بہت سا موقعہ دیتا ہے سوچنے سمجھنے کی تو اللہ اس کا مطالبہ ضرور کرے گا۔

❁❁❁❁❁

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی، تاریخی، معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰/روپیہ ہے۔

(ادارہ)

دعوت دین

عمان میں سفیر نبوت کا اعلان حق

قمر عباس ٹوبہ ٹیک سنگھ، صوبہ سرحد پاکستان

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تیرہویں سال ہجرت مدینہ کا تاریخی واقعہ پیش آیا، اگرچہ یہ مسلمانوں کی پہلی ہجرت نہیں تھی، وہ حبشہ کی طرف بھی قسمت آزمائی کر چکے تھے مگر اپنے گرانقدر نتائج کے اعتبار سے یہ ہجرت پہلی سے زیادہ سودمند ثابت ہوئی، جونہی حضورؐ نے اپنے آبائی وطن کو خیرآباد کہا اور بطور ایک پردیسی مدینہ منورہ میں پناہ لی، عاشقان اسلام اور طالبان حق جوق درجوق ان کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

مدینہ کے دس برسوں میں نوزائیدہ اسلام اپنے شارح کی سرپرستی میں پھلتا پھولتا رہا، عرب کے اطراف میں پھیلی تاریکی اسلام کی قوت کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئی اور ہر سو اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔

۹ ہجری تک صرف ''عمان'' کا علاقہ عرب کی واحد ریاست تھی جہاں اسلام کی روشنی نہیں پہنچ پائی تھی، وہاں جلندی خاندان مسند حکومت پر فائز تھا، تب وہاں جیفر بن جلندی کی حکمرانی تھی، جو حکومت کے انتظام وانصرام میں اپنے مدبر اور حلیم وفہیم بھائی عبد بن جلندی کی رائے کو بڑی اہمیت دیتا تھا، دونوں بھائیوں میں بے پناہ محبت اور ہم آہنگی تھی۔

حکمران عمان تک اسلام کی پاکیزہ دعوت پہنچانے کے لیے صحابہ کرام سے مشاورت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص کا انتخاب فرمایا، پھر تاجدار عمان کے نام دستاویز لکھی گئی جسے حضرت ابی بن کعب نے تحریر فرمایا، اس پر مہر نبوی ثبت کی گئی اور حضرت عمرو بن عاص وہ مقدس فرمان لئے عمان روانہ ہوگئے۔

طویل سفر کے بعد منزل پر پہنچے تو سوچ میں پڑ گئے کہ بادشاہ تک رسائی کیسے ہو؟ آخر ایک مقامی باشندے کے مشورے پر بادشاہ کے بھائی عبد بن جلندی سے ملے اور تعارف کے بعد اسے اپنے مقصد سے آگاہ کیا، دونوں کے مابین جو گفتگو ہوئی وہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، سب سے پہلے حضرت عمرو بن عاص نے تعارف کروایا: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں، تمہاری اور تمہارے بھائی کی طرف بھیجا گیا ہوں''۔

عبد بن جلندی نے کہا ''پہلے بھائی سے ملیئے وہ مجھ سے بڑے اور وہی بادشاہ ہیں، البتہ ملاقات کا انتظام میں کردوں گا''۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہوگئے، پھر عبد نے سوال کیا ''لیکن یہ تو بتائیے کہ وہ مقصد اصول اور احکام کیا ہیں؟ جن کی طرف آپ لوگ دعوت دیتے ہیں''۔

حضرت عمرو بن عاص نے جواباً فرمایا ''سب سے پہلے خدا کی توحید یعنی وہ ایک ہے اور اس کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں، اس کے سوا کسی چیز کے سامنے جھکنا اور پوجا کرنا ناجائز ہے، دوسرے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں''۔

عبد نے دوسرا سوال کیا جو صحابی رسول کی ذات سے متعلق تھا، اس نے دریافت کیا کہ چونکہ وہ اپنے قبیلے کے سردار کے بیٹے ہیں، اس لیے بتائیں کہ اس ضمن میں ان کے والد کی کیا رائے ہے؟

عمرو بن عاص نے افسردہ لہجے میں جواب دیا ''میرا باپ مرچکا ہے، افسوس کہ وہ کافر ہی رہا، کاش وہ اسلام قبول کرلیتا، میں خود اپنے

باپ کے کافرانہ اصولوں پر چل رہا تھا لیکن پھر اللہ نے میری رہنمائی فرمائی''۔

عبد نے پوچھا ''تم کب ان کے (رسول اللہ کے) حلقے میں داخل ہوئے؟''۔

انہوں نے جواب دیا ''تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے''۔

''تم نے اسلام کیوں قبول کیا؟''

حضرت عمرو نے بتایا ''مجھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات حق پر لگیں لہٰذا قبول کر لی، بعدازاں کفار مکہ کے ستانے پر حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا، تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے''۔

یہ سن کر عبد حیران ہوا، پوچھا ''نجاشی کی قوم نے قبول اسلام کے بعد اس سے کیا معاملہ کیا؟''۔

صحابی رسول نے بتایا: ''نہ صرف اسے بدستور بادشاہ رکھا بلکہ بیشتر لوگ مسلمان ہو گئے''۔

عبد نے پھر پوچھا کہ کیا چھوٹے قبائل کے سرداروں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے؟ حضرت عمرو نے اثبات میں جواب دیا، اس پر وہ کہنے لگا، تم جھوٹ بول رہے ہو''۔

انہوں نے فرمایا ''جھوٹ سے زیادہ بری خصلت اور کوئی نہیں، جھوٹ بولنے والوں پر خدا کی لعنت ہے، ہمارے مذہب میں جھوٹ بولنا شدید گناہ ہے''۔

عبد یہ سن کر خاموش ہو گیا، تھوڑی دیر بعد بولا ''کیا نجاشی کے اسلام کی خبر ہرقل کو نہیں ہوئی''۔

صحابی بولے: ''اسے خبر ہے، نجاشی ہرقل کو جو خراج بھیجتا تھا اس نے وہ بند کر دیا اور کہا کہ خدا کی قسم اب وہ ہرقل کو ایک درہم بھی بطور خراج نہیں دے گا، یہ سن کر ہرقل کے بھائی نیاق نے اپنے بھائی سے کہا کہ کیا تم اس غلام (نجاشی) کو سزا نہیں دو گے جو خراج نہیں دے رہا ہے، اور اس نے مذہب بھی بدل لیا ہے، ہرقل نے اسے جواب دیا کہ یہ دل کے شوق کا معاملہ ہے، ہر شخص نیا مذہب قبول کرنے کا مجاز ہے، اگر اپنے ملک کا خیال نہ ہوتا تو وہ بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا ہے''۔

یہ سن کر عبد بن جلندی حیرت میں ڈوب گیا وہ کہنے لگا ''ہیں، ہیں، یہ تم کیا کہہ رہے ہو''۔

حضرت عمرو بن عاص نے قسم کھا کر بتایا کہ وہ ایک ایک لفظ صحیح کہہ رہے ہیں، یہ سن کر عبد نے دریافت کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی مطالبات کیا ہیں؟

انہوں نے پھر بنیادی اسلامی احکامات کا خلاصہ بیان کیا: ''خدا کا حکم ماننا، گناہوں سے بچتے رہنا، احسان اور صلہ رحمی پر عمل پیرا ہونا، ظلم واکراہ اور جارحانہ اقدام کی مخالفت، زنا، شراب اور بتوں کی پوجا کی ممانعت''۔

عبد نے ان احکامات کو نہایت اعلیٰ قرار دیا لیکن پھر بڑے افسوس کے ساتھ اسلامی سفیر کو بتایا ''اگر میرا بھائی ساتھ دیتا تو میں اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہو جاتا لیکن میرے بھائی کو اقتدار سے محبت ہے، اس کا مسلمان ہونا تقریباً ناممکن ہے''۔

یہ سن کر عمرو بن عاص گویا ہوئے ''یہ ممکن ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کو عمان کا امیر بنا دیں تاکہ وہ قوم کے مالداروں سے محصول لیں اور غریب غرباء میں تقسیم کر دیں''۔

یہ سن کر عبد بن جلندی فوراً بول اٹھا ''یہ تو اخلاق وکردار کی بہت ہی اعلیٰ مثال ہے''۔

اس کے بعد سفیر نبوت عبد کے مہمان بن گئے، وہ گاہے بگاہے اپنے بھائی جیفر (بعض تذکرہ نگاروں نے اسے جافرے بھی لکھا ہے) کو ان کی آمد اور اسلامی احکامات کے متعلق بتاتا رہا، عرب روایات کے مطابق سفیر نبی کو ہر طرح کا آرام بہم پہنچایا گیا، آخر کار ایک دن انہیں دربار میں طلب کر لیا گیا، جب حضرت عمرو بن عاص بھرے دربار میں داخل ہوئے تو بے باکی سے بادشاہ کی طرف بڑھ گئے، درباریوں نے ''ادب، ادب'' کے نعرے لگائے، مگر انہوں نے مطلق

پروانہ کی، جیفر بن جلندی ان سے مخاطب ہو کر بولا: کہیئے آپ کی آمد کا کیا مقصد ہے؟''۔

حضرت عمرو بن عاص نے اپنے آقا کا خط پیش کیا تو اسی وقت سیل مہر توڑی گئی، بادشاہ نے خط پڑھنے کے بعد اپنے بھائی کو دیا، اس نے بھی ایک ایک لفظ پڑھا، تمام درباری حیران کہ شاہی دربار میں اتنی دلیری سے خط پیش کرنے والا شخص کون ہے اور یہ خط کیسا ہے؟ خط کا مفہوم کچھ یوں تھا:

''بسم اللہ، محمد بن عبداللہ کی طرف سے جلندی کے دونوں بیٹوں، جیفر اور عبد کے نام! سلامتی اور امن ہے اس شخص کے لیے جو سیدھی راہ کی پیروی کرے، میں تم دونوں کو اسلام کے راستے کی طرف بلاتا ہوں، دونوں مسلمان ہو جاؤ تو سلامت رہو گے، میں خدا کا آخری رسول اور تمام انسانوں کے لیے خدا کا نمائندہ ہوں تا کہ انہیں خدا کی مخالفت سے ڈراؤں، یوں انکار کرنے والوں پر خدا کی حجت قائم ہو جائے، اگر تم نے اسلام قبول کر لیا، تو تم اپنے ملک کے والی رہو گے اور اگر انکار کیا تو ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا، فوجیں تمہاری قلمرو میں داخل ہوں گی اور میری نبوت تمہارے ملک عمان پر غالب آجائے گی''۔

خط پڑھنے کے بعد گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا، جیفر نے پوچھا ''قریش نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا ہے؟''۔

حضرت عمرو بن عاص نے بتایا: وہ سب اسلام لے آئے ہیں کچھ دل سے اور کچھ مرعوب ہو کر، اب اس سرزمین پر تمہارے سوا سب حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، اگر تم نے اس فرمان کی تعمیل سے انکار کر دیا، تو ہماری فوجیں تم پر یلغار کریں گی، دوسری صورت میں بدستور اپنے ملک کے وارث رہو گے۔

جیفر نے فیصلہ کن انداز میں کہا ''میں تمہارا مطلب سمجھ گیا، ہم کمزور نہیں اور یہاں کوئی فوج قدم رکھنے کی جسارت نہیں کر سکتی، اگر کسی نے ادھر کا رخ کیا، تو یہ لڑائی دوسری لڑائیوں سے یکسر مختلف ہو گی''۔

یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے: ''بہتر ہے آپ کا پیغام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا''۔

دربار میں بیٹھے درباریوں نے داد دی کہ ان کا بادشاہ بزدل نہیں اور حکمرانی کرنا ایسے ہی لوگوں کا حق ہے، دربار برخاست کر دیا گیا اور سفیر نبوت اپنی اقامت گاہ کو چل دیئے، لیکن عبد بن جلندی آنے والے طوفان سے باخبر تھا، جزیرہ عرب کی سبھی ریاستیں اسلام کے ابھرتے آفتاب کے سامنے سجدہ ریزہ ہو گئی تھیں، اسے محسوس ہو گیا تھا کہ اسلام کی پھیلتی روشنی کا راستہ کفر کی تاریکی کبھی نہیں روک سکتی، اسی لیے عبد نے تنہائی میں بھائی کو سمجھایا کہ اسلام قبول کرنے سے نہ صرف وہ دین حق کی آغوش میں آجائیں گے بلکہ ان کی حکومت بھی قائم رہے گی، زیرک بھائی کے سمجھانے سے رفتہ رفتہ جیفر کو عقل آ گئی۔

وہ سنبھلا اور اگلے ہی روز دوبارہ حضرت عمرو بن عاص کو دربار میں بلوالیا، اس نے ان کی موجودگی میں یہ اعلان کیا: ''ہم دونوں بھائی مسلمان ہوتے ہیں'' اس طرح جزیرہ نما عرب کی آخری طاقت بھی عرش الٰہی کے سائے میں آ گئی۔

معاہدے کے مطابق حضرت عمرو بن عاص مالیات اور صیغۂ عدل کے نگراں مقرر ہوئے، یوں وہ شخص جسے عمان کے شاہی دربار میں پذیرائی نہیں ملی تھی، اسلام کے اعجاز سے بادشاہ کے سر پر نگراں بن گیا، یہ تھی اسلام کی طاقت وہی اسلام جس کی صدا دورِ جدید میں صدا بصحرا بن گئی ہے۔

❁❁❁❁❁

مسائل وفقہ

دوسری قسط

امامت کے مسائل اور احکام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

امامت کا حق کس کو حاصل ہے ؟

امامت کے لیے آگے بڑھنے کا حق اور اولیت اس شخص کو حاصل ہو گی جو مسائل شریعت سے زیادہ واقفیت رکھتا ہو، لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امامت کے لیے اولیت اور ترجیح اس شخص کو حاصل ہوگی جو قرآن زیادہ اچھا پڑھتا ہو اور تجوید وغیرہ سے اچھی طرح واقف ہو، اس ترجیح کی وجہ امام ابو یوسفؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ قراءت نماز میں ناگزیر اور اس کا ایک لازمی جزء ہے جس کے بغیر نماز کا تصور ہی ممکن نہیں اور جہاں تک مسئلہ ہے مسائل نماز سے واقفیت کا تو اس کی ضرورت اس وقت پڑے گی جب کہ نماز میں کوئی خلل واقع ہو جائے گا، لیکن اس سلسلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ قراءت تو محض نماز کے ایک رکن کے لیے شرط ہے جب کہ مسائل سے واقفیت نماز کے جملہ ارکان کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔

اگر مسائل نماز سے واقفیت کے سلسلہ میں جملہ حاضرین یکساں ہیں تو اس شخص کو ترجیح حاصل ہوگی جو فن قراءت سے زیادہ واقف ہو یعنی جہاں وقف کرنے کی جگہ ہے وہاں وقف کرتا ہو اور جہاں وصل کی جگہ ہو وہاں وصل کے ساتھ پڑھتا ہو، اسی طرح یہ بھی معلوم ہو کہ کس جگہ کلمہ کو مخفف اور کس جگہ مشدد پڑھا جاتا ہے اور اسی طرح دوسرے مسائل قراءت سے بھی واقف ہو، اس کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے جو قرآن مجید کو اچھی طرح پڑھتا ہو'' چنانچہ اگر وہ سب کے سب قرآن مجید کو اچھی طرح پڑھنے میں بھی برابر ہوں تو ترجیح اس شخص کو حاصل ہوگی جو مسائل شریعت سے زیادہ واقف ہو، پھر اگر اس سلسلہ میں بھی جملہ حاضرین تقریباً یکساں حیثیت کے حامل ہوں، تو اس شخص کو فوقیت حاصل ہوگی جو ہجرت کے لحاظ سے زیادہ مقدم ہو اور اگر اس میں بھی سب کے سب برابر ہوں تو اس شخص کو ترجیح حاصل ہوگی، جو زیادہ عمر رسیدہ ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر سب کے سب مذکورہ چیزوں میں بھی برابر ہوں تو اس شخص کو حق تقدم حاصل رہے گا جو خوبصورتی اور حسن وجمال کے اعتبار سے سب میں فائق ہو، ہدایہ کے مصنف علامہ برہان الدین مرغینانی رقمطراز ہیں کہ:

''حدیث شریف میں ''اُقرء'' (جو قرآن زیادہ اچھا پڑھتا ہو) کو اعلم'' (جو مسائل شریعت سے اچھی طرح واقف ہو) پر ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن شریف کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پڑھتے اور سیکھتے تو اس کے جملہ مسائل اور جزئیات کے ساتھ پڑھتے اور سیکھتے تھے؛ لیکن ہمارے زمانہ میں ایسی بات نہیں ہے، ایسا بہت ممکن ہے کہ ایک شخص فن قراءت سے بخوبی واقف ہو لیکن وہ نماز کے مسائل واحکام سے واقف نہ ہو، چنانچہ اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اُعلم کو اُقراء پر ترجیح دینے کا فیصلہ کیا ہے''۔

ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا تشریح پر کسی کو یہ اشکال ہو کہ جب آپؐ کے زمانہ میں ''اُقرء'' ہی ''اعلم'' ہوا کرتا تھا تو اعلم کو الگ سے بیان کرنے کا

کیا مطلب ہے، یہ تو ایک ہی بات کو دو مرتبہ کہنا ہوا اور ظاہر ہے کہ تکرار محض لغو ہے جس کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہے، چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ ''أقرأ سے مراد أعلم بأحکام کتاب اللہ'' (کتاب اللہ کے احکام ومسائل سے واقف) لے لیا جائے، اور ''أعلم بالسنۃ'' سے مراد أفقہ فی دین اللہ (دین میں بصیرت رکھنے والا) لے لیا جائے، چنانچہ اس صورت میں مذکورہ اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں اس کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ ''أقرء'' کا ''اعلم'' بھی ہونا یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں تھا، بلکہ عمومی صورتحال ایسی ہی تھی کہ جو أقرء ہوا کرتا تھا وہ أعلم بھی ہوتا تھا، چنانچہ حضرت أبی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ حضرت أبی بن کعبؓ فن قراءت سے بخوبی واقف تھے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کی بہ نسبت قرآن کے مسائل واحکام سے زیادہ واقف تھے، یا مذکورا اشکال کا تیسرا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ أقرء اور اعلم کی جو تفریق کی گئی ہے وہ ہمارے زمانہ کے لحاظ سے ہے، چنانچہ فن قراءت سے واقفیت میں تمام لوگوں کا یکساں درجہ کا ہونا اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ سب احکام ومسائل کی جانکاری میں بھی برابر ہوں۔

اگر مذکورہ بالا اوصاف میں تمام حاضرین یکساں درجہ کے ہوں تو ایسی صورت میں ترجیح تقوی کی بنیاد پر دی جائے گی، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''جس نے کسی متقی اور دیندار عالم کے پیچھے نماز ادا کی تو گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز ادا کی'' اگر تقوی کے لحاظ سے بھی تمام لوگ یکساں درجہ کے ہوں تو ایسی صورت میں وجہ ترجیح عمر کی زیادتی ہوگی، چنانچہ حاضرین میں جو زیادہ سن رسیدہ ہوگا اس کو آگے بڑھایا جائے گا، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوملیکہ کے دونوں لڑکوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا ''تم دونوں میں وہ امامت کرے جو عمر کے لحاظ سے بڑا ہو'' اس کی ایک عقلی وجہ یہ بھی ہے کہ عمر رسیدہ شخص کو ترجیح دینے میں لوگ زیادہ جماعت میں شریک ہوں گے۔ (فتح القدیر ج اول صفحہ ۳۰۵)

درمختار کے مصنف رقمطراز ہیں، امامت کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو نماز کے احکام ومسائل سے زیادہ واقف ہو، اس کو اس بات کا علم ہو کہ مفسد نماز یعنی نماز کو فاسد کرنے والی کیا چیزیں ہیں، اور نماز کی صحت کے لیے کن چیزوں کی ضرورت ہے، بس اتنا علم ہونا امام بننے کے لیے کافی ہے، بشرطیکہ وہ ان چیزوں سے بچتا ہو جن کو برا خیال کیا جاتا ہے، نیز فرض، واجب، سنت (باختلاف روایات) کی بقدر ضرورت قرآن مجید بھی یاد ہو، دوسرے نمبر پر ترجیح اس شخص کو حاصل ہوگی جو قرآن کریم کی اچھی تلاوت کرتا ہو اور فن قراءت سے اچھی طرح واقف ہو، تیسرے نمبر پر وجہ ترجیح تقوی ہے، تقوی کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں سے احتیاط رکھتا ہو جو مشکوک ومشتبہ ہوں، یعنی جن کا حلال یا حرام ہونا قطعی طور پر طے نہ کیا جا سکتا ہو، علامہ شامی تقوی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''تقوی یہ ہے کہ جس کا حلال اور حرام ہونا مشتبہ ہو، اسے چھوڑ دینا اور شکوک وشبہات سے بچنے کے لیے حلال چیزوں کا ترک کرنا'' اور یہ تقوی سے زیادہ خاص ہے اور حدیث شریف میں ورع کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ وطن سے ہجرت کرنے کا تذکرہ ہے اور جب یہ ہجرت منسوخ ہے تو ورع وتقوی کے ذریعہ گناہوں کو ترک کرنا مراد ہوگا، اس لیے کہ اب دار الحرب میں اسلام لانے والے شخص کے لیے ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد جو پہلے ایمان لایا ہے اسے ترجیح دی جائے گی، چنانچہ پہلے ایمان لانے والے نوجوان کو بعد میں ایمان لانے والے عمر دراز شخص پر فوقیت دی جائے گی، علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ اسلام کے ساتھ تقوی کا بھی لحاظ کیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے اسے تقدم کا حق حاصل ہوگا جس نے اسلام کے متعلق زیادہ علم حاصل کیا ہو، تاکہ اس طرح آپس میں امامت کے لیے قرعہ ڈالنے کی نوبت نہ آئے، اسی طرح ایسے نوجوان کو جس کی پرورش اسلامی ماحول میں ہوئی ہو ایسے شخص پر تقدم کا حق حاصل ہوگا، جو ابھی اسلام لایا ہے؛ لیکن

اگر دونوں نسلی مسلمان ہوں یا ایک ساتھ ایمان لائے، تو عمر رسیدہ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا جائے گا، کیونکہ عمر رسیدہ لوگ زیادہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے والے اور قابل احترام ہوتے ہیں اور لوگ انہیں اپنا امام بنانا زیادہ پسند کرتے ہیں اور اس سے جماعت میں لوگوں کی شرکت زیادہ ہوگی۔

پھر اس کے بعد جو لوگوں سے زیادہ اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہو اسے اولیت حاصل ہوگی، پھر اس کے بعد جو صورۃً زیادہ حسین ہو یعنی زیادہ تہجد گذار ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو راتوں میں زیادہ نماز (تہجد) پڑھتا ہے اس کا چہرہ دن میں زیادہ چمکتا ہے اور کھلتا ہے، لیکن صاحب بدائع الصنائع نے لکھا ہے کہ اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خوبصورت ہونا کافی ہے کیونکہ اس سے بھی جماعت میں لوگ زیادہ شریک ہوں گے، پھر حسب ونسب کا اعتبار ہوگا، حسب ونسب کا مطلب یہ ہے کہ آباء واجداد، مالداری، دینداری، شرافت، سخاوت، اچھے کارناموں میں قابل فخر ہوں، پھر اچھی آواز کا اعتبار ہوگا، پھر جس کی بیوی خوبصورت ہوگی اسے فوقیت حاصل ہوگی، اس لیے کہ وہ اس سے زیادہ محبت کرے گا اور غیر عورت سے تعلقات نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ پاکدامن ہوگا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کوئی اپنی بیوی کی خصوصیات اور صفات دوسروں سے بیان کرے تاکہ معلوم ہو کہ کون زیادہ خوبصورت بیوی والا ہے، بلکہ اس کے دوستوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے معلوم کیا جائے گا، پھر جو سب سے زیادہ مالدار ہو اور قناعت وعفت کی بھی صفت اس کے اندر ہو، تاکہ لوگ اسے زیادہ پسند کریں، پھر اچھے عہدے کا اعتبار ہوگا، پھر صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس شخص کا اعتبار ہوگا، پھر جس کا سر بڑا ہو دیگر اعضاء چھوٹے اور مناسب ہوں۔

پھر مقیم کو مسافر پر اولیت حاصل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں برابر ہیں اور ظاہر ہے اگر جماعت مسافروں کی ہے تو غور کیا جائے گا اور یہ بات اس وقت ہے جب کہ وقت باقی ہو ورنہ مسافر کے لیے چار رکعت والی فرض نمازوں میں مقیم کی اقتداء صحیح نہیں ہے، آگے تفصیل سے بیان آرہا ہے۔

پھر اس کے بعد آزاد شخص کو غلام پر ترجیح دی جائے گی، پھر جس نے حدث (جن امور کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے) کی وجہ سے تیمّم کیا ہو، اس کو ایسے شخص پر اولیت حاصل ہوگی جس نے جنابت کی وجہ سے غسل کے بدلے کسی عذر شرعی کی وجہ سے تیمّم کیا ہو اور شاید اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ حدث جنابت سے کمتر ہے لیکن ''منیۃ المفتی'' میں اس کے برعکس مسئلہ ہے کہ جنابت کی وجہ سے تیمّم کرنے والا شخص حدث کی وجہ سے تیمّم کرنے والے سے زیادہ امامت کا حقدار ہے اور شاید اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی طہارت زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ غسل کے درجے میں ہے، اسے کوئی نواقض وضو زائل نہیں کرسکتا۔

فائدہ:

نا اتفاقی کے وقت کسی کو امامت کے لیے آگے نہیں بڑھایا جائے گا، مگر جسے ترجیح حاصل ہو، اور ترجیح حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم حاصل کرنے میں اور افتاء میں اور قاضی کے سامنے دعوی پیش کرنے میں سبقت کی ہو اور اگر اس میں بھی سب کے سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ سب اولیت وافضلیت کی بنا پر ہے۔

اسی طرح علم حاصل کرنے میں بھی جو پہلے آیا ہے اس کو اولیت حاصل ہوگی اور اگر ایک ساتھ آئے ہیں تو قرعہ اندازی کی جائے گی اور اگر شیخ کو معلوم نہ ہو تو جسے چاہے پہلے بڑھا دے، لیکن اکثر علماء پہلے آنے والے کی اولیت کے قائل ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے آئے، اسی وقت ایک ثقفی صحابی بھی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے ثقفی بھائی سوال کرنے کے لیے، انصاری بھائی تم سے پہلے آیا، لہٰذا تم بیٹھو! تاکہ تمہاری ضرورت پوری کرنے سے پہلے اس کی ضرورت پوری کردوں، اس سے معلوم ہوا کہ یہی سنت نبوی صلی

اللہ علیہ وسلم ہے، اگر سب کے سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی ، یا پھر قوم کو اختیار ہوگا ، جسے چاہیں امام بنائیں ، اگر اختلاف ہو جائے تو امام متعین کرنے میں اکثریت کا اعتبار ہوگا ، ورنہ ہر آدمی اپنے پسندیدہ اور اختیار کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھے؛ لیکن اس میں تکرار جماعت ہے۔

اگر لوگوں نے غیر اولی کو امام بنایا تو برا کیا لیکن وہ گنہگار نہیں ہیں ، اگر دو آدمی علم اور صلاح وتقوی میں برابر ہوں ؛ لیکن ان میں ایک قرآن زیادہ اچھا پڑھنے والا ہے اور لوگوں نے دوسرے کو آگے بڑھادیا تو انہوں نے غلط کیا اور سنت کو چھوڑا لیکن گناہ گار نہیں ہونگے ، کیونکہ انہوں نے ایک صالح شخص کو امامت کے لیے آگے بڑھایا اور یہی حکم امارت اور حکومت میں ہوگا ؛ لیکن خلافت چونکہ امامت کبری ہے، اس لیے اس میں افضل کو ترک کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس پر امت محمدیہ کا اجماع ہے۔ (تاتارخانیہ)

اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ صاحب خانہ اور مسجد کے امام (جس کو مسجد کی جانب سے تنخواہ ملتی ہو جیسا کہ ہمارے زمانے میں رائج ہے) مطلقاً دوسروں سے امامت کے زیادہ حقدار ہیں ، اگر چہ حاضرین میں ان سے زیادہ احکام شریعت سے واقف اور اچھا قاری موجود ہو، اگر کسی کے گھر میں مہمانوں کی جماعت ہو تو مناسب ہے کہ امامت کے لیے صاحب خانہ آگے بڑھے لیکن اگر اس نے مہمانوں میں سے کسی مہمان کو اس کے علم اور درازی عمر کی وجہ سے امام بنایا تو یہ افضل ہے اور اگر مہمانوں میں سے کوئی ایک خود آگے بڑھ گیا تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ ظاہر ہے کہ صاحب خانہ مہمان کو اس کی عزت واکرام کی وجہ سے اجازت دے ہی دیتا ہے، مگر ہاں وہاں پر سلطان یا قاضی موجود ہوں تو انہی کو آگے بڑھایا جائے گا ، کیونکہ ان کو ولایت عامہ حاصل ہے (تاتارخانیہ) لیکن ''حدادی'' نے یہ صراحت کی ہے کہ حاکم کو مسجد میں متعین امام پر اولیت حاصل ہے، علامہ شامی کہتے ہیں کہ یہ اس سلطان کے ساتھ خاص نہیں ہے جس کو عام ولایت حاصل ہے اور نہ اس قاضی کے ساتھ خاص ہے جس کو احکام شرعیہ کی خاص ولایت حاصل ہے بلکہ والی بھی ان دونوں ہی کی طرح ہے ، اور امام راتب اس مسئلہ میں صاحب خانہ کی طرح ہے، اس سلسلے میں صاحب ''امداد الفتاوی'' نے یہ لکھا ہے کہ اگر سب جمع ہوں ، تو اولیت سلطان کو حاصل ہے پھر امیر کو، پھر قاضی کو، پھر صاحب خانہ کو، اگر چہ وہ کرایہ پر ہو اور اسی طرح امام مسجد پر قاضی کو اولیت حاصل ہے۔

اسی طرح جسے عاریت پر گھر دیا گیا ہو (مستعیر) یا جس نے کرایہ پر گھر لیا ہو (مستاجر) ان دونوں کو صاحب خانہ پر اولیت حاصل ہے، اس لیے کہ کسی کو عاریت پر کچھ دینا گویا کہ اسے منافع کا مالک بنانا ہے اور عاریت پر دینے والے شخص کو اگر چہ واپس لینے کا حق حاصل ہے لیکن جب تک وہ واپس نہیں لیتا جسے اس نے عاریت پر دی ہے تو اسے امامت کا حق حاصل ہوگا اور کلام اسی میں ہے اس لیے کہ جب وہ واپس لے لے گا تو عاریت بھی باقی نہیں رہے گی لہٰذا حق بھی ختم ہو جائے گا۔

خلاصہ بحث:

سب سے زیادہ امامت کا حقدار وہ ہے جو احکام نماز سے زیادہ واقف ہو یعنی اسے معلوم ہو کہ کب نماز صحیح ہوگی ؟ کب نماز میں بگاڑ آئے گا ؟ (یعنی نہیں ہوگی) ساتھ ہی وہ ظاہری گناہوں سے پرہیز بھی کرتا ہو، پھر جو سب سے اچھا تجوید کے ساتھ قرآن پڑھتا ہو پھر جو زیادہ پرہیز گار ہو، پھر جو پہلے ایمان لایا ہو ، پھر جو زیادہ عمر دراز ہو (جب کہ دونوں اصلی یعنی نسلی مسلمان ہوں) پھر جو زیادہ اخلاق مند ہو، پھر جو زیادہ خوبصورت ہو ، پھر جو زیادہ شریف النسب ہو ، پھر جو صاف ستھرے کپڑے زیب تن کئے ہو، اگر سب کے سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی ، اگر لوگوں میں اختلاف ہو جائے ، ورنہ جسے چاہیں امام بنائیں ، پھر اگر ایسا اختلاف ہو جائے کہ لوگ قرعہ اندازی پر بھی راضی نہ ہوں تو پھر امام کے اختیار کرنے میں اکثریت کا اعتبار ہوگا ؛ لیکن اگر اکثریت نے غیر اولی کو اختیار کر کے آگے بڑھادیا، تو انہوں نے برا تو کیا لیکن وہ گناہ گار نہیں ہوں گے ، یہ مسئلہ اس وقت

ہے جب کہ لوگوں کے درمیان سلطان نہ ہو اور نہ ہی صاحب خانہ ہو، جس کے گھر میں لوگ جمع ہوں اور نہ ہی کوئی مقرر امام ہو، ورنہ سلطان کو فوقیت حاصل ہے پھر صاحب خانہ کو مطلقاً اور اسی طرح مسجد میں متعین امام ہے اور جب گھر میں مکان مالک اور کرایہ دار جمع ہو جائیں تو کرایہ دار کو حق امامت حاصل ہوگا۔

امامت پر اجرت:

جمہور فقہاء کرام (شافعیہ حنابلہ اور متقدمین احناف) کی رائے یہ ہے کہ نماز کی امامت پر اجرت لینا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ ایسے اعمال ہیں جن کے کرنے والے کا مقصد عبادت اور قربتِ الٰہی ہوتا ہے، اس لیے اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، اس کی مثال اذان اور قرآن کی تعلیم ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اقــرؤا الـقـرآن و لا تـأكلوا بـه" (احمد ص ۴۲۸ ج ۳) قرآن پڑھو لیکن اس کو کھانے کا ذریعہ مت بناؤ، اور اس لیے بھی کہ امام اپنی نماز پڑھتا ہے تو جو اس کی اقتداء کرنا چاہتا ہے اور وہ امامت کی نیت نہ کرے اور حالانکہ اس کی نیت پر کوئی چیز موقوف ہے جیسا کہ جماعت کی فضیلت حاصل کرنا ہے تو یہ ایسا فائدہ ہے جو اسی کے ساتھ خاص ہے، اس لیے جب بندہ کوئی عبادت واطاعت اور نیک عمل کرتا ہے، تو اپنے لیے کرتا ہے اللہ تعالی نے فرمایا "من عمل صالحا فلنفسه" جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنے لیے کرتا ہے لہٰذا جو اپنے لیے عمل کرے وہ دوسروں سے اس پر اجر کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ (الروضہ ۸۸/۵ ونہایۃ المفتی جلد ۳۸۸/۵)

اور مالکیہ کہتے ہیں کہ صرف اذان پر یا نماز کے ساتھ اذان پر نمازیوں سے اجرت لینا جائز ہے خواہ نماز نفل ہو یا فرض لیکن ہاں صرف نماز پر اجرت لینا مکروہ ہے۔

اور متاخرین احناف کے نزدیک تعلیم قرآن وفقہ اور امامت واذان پر اجرت لینا جائز ہے اور جس نے اجرت پر عالم، امام، مؤذن کو متعین کیا ہے اس سے جبراً متعین اجرت یا اگر طے نہیں کیا ہے تو اجر مثل لینا جائز ہے اور جواز کی دلیل ضرورت ہے یعنی ہمارے زمانہ میں دین سے غفلت ولاپرواہی ظاہر ہونے کی وجہ سے تعلیم قرآن کے ضائع ہونے کا ڈر ہے۔ (ابن العابدین ص ۳۴ ج ۵)

اور یہ تمام تفصیلات اجرت کے سلسلے میں ہے ورنہ بیت المال سے ان امور پر تنخواہ لینا جائز ہے جن کا نفع متعدی ہو، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس لیے کہ بیت المال سے تنخواہ لینا یہ مصالح سے متعلق ہے، اس کے برعکس اجرت پر امام رکھنا تو اس کا تعلق معاوضہ سے ہے، اور اس لئے کہ بیت المال مسلمانوں کے مصالح کے پیش نظر قائم کیا جاتا ہے، پھر اس کا اس شخص پر خرچ کرنا جس کا نفع مسلمانوں کو پہنچتا ہے یہ بھی انہیں مصالح میں سے ہے اور اس سے لینے والا اس کا اہل ہے، اسی طرح اس کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو ان مصالح کے انجام دینے پر مامور ہیں۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ص ۲۱۵ ج ۶)

اور درمختار میں ہے کہ اجرت پر امامت کرنے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے، علامہ شامی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سال یا مہینہ کی اجرت پر امامت کرائے، اس لیے یہ صدقہ اور ایک طرح سے مدد ہے جو صدقہ اور اجرت کے مشابہ ہے۔

متاخرین احناف کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے اذان، امامت، تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے، لیکن ہاں صرف تلاوت قرآن پر اجرت لینا اسی طرح بقیہ طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ اس کی اصلاً ضرورت نہیں ہے۔ (ردالمحتار ص ۳۷۸ ج اول)

not found.

تجزیہ

اسلام تلوار سے پھیلا یا اخلاق سے؟

مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی نیپالی مدرسہ فلاح المسلمین تیندوہ، رائے بریلی

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی نشرواشاعت میں جہاں قرآن کریم کی سحر طرازی اور اثر انگیزی نے ناقابل انکار کردار ادا کیا، دلوں کی سرد انگیٹھیوں کو گرمایا، دبی ہوئی چنگاری کو بھڑکایا اور معمولی شرارہ کو شعلہ جوالہ بنایا، وہیں پر پیغمبر اسلام کی ذات ستودہ صفات اور پھر شخصیت میں بھی بلند اخلاق، اچھے کردار، بہترین سیرت اور عمدہ عادات و خصائل کا بڑا دخل ہے، ان تمام چیزوں کا نقش جمیل قلوب پر قائم ہوا، طبیعتوں پر خوشگوار اثر ہوا، اور حسین عکس معاشرہ انسانی پر پڑا، جن کی جھلک صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں صاف طور پر نظر آئی، ماحول میں بہتر تبدیلی آئی، انسان کی کایا پلٹی اور سماج کا پورا نقشہ ہی بدل گیا، اور اخلاق نبوی نے دشمن تک کو متأثر کئے بغیر نہ چھوڑا، شدید رکاوٹوں اور سخت مخالفتوں کے باوجود آپ کی دعوتی کوشش، اصلاحی سرگرمی اور دینی جہدوسعی اپنا رنگ لائی اور ایسے جانثار، اطاعت شعار، فرمانبردار اور وفادار تیار ہوئے جنھوں نے جان کی بازی تو لگادی لیکن ایمان نہیں چھوڑا، اور غیر معمولی اذیتوں کے باوجود اس کے ایک نقطہ سے بھی دستبردار نہ ہوئے۔

اگر سچی نگاہ سے دیکھا جائے اور اچھی طرح غور وفکر کیا جائے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ اخلاق حسنہ بہت ہی قیمتی جوہر اور بیش بہا نعمت ہے جس کی قدر و قیمت جوہری ہی پہنچانتا ہے، اسی لیے اسلام نے اخلاق کریمہ سے متصف ہونے پر بہت زور دیا ہے، اور اسی کو کامل قرار دیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے ''أكمل المؤمنين ایماناً احسنهم خلقاً'' کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلی اخلاق کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ اللہ تعالی نے خود ساتوں آسمان کے اوپر سے اس کی شہادت ''وانك لعلى خلق عظيم'' سے دی ہے کہ اے نبی آپ اخلاق کے مقام بلند پر فائز ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''فبما رحمة من اللّٰه لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك'' یہ خدا کی رحمت تھی کہ آپ ان کے لیے نرم خو رہے اور اگر آپ تند خو، سخت طبیعت کے ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، ایک جگہ ارشاد ہوا ''لقد جاء كم رسول من اللّٰه من انفسكم عزيز عليه ماعنتم حريص عليكم بالمومنين رؤف رحيم'' تمہارے پاس تمہاری ہی جنس کے ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں، جن پر تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

حدیث شریف میں تو آپ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی تکمیل اخلاق قرار دیا ہے فرمایا ''بعثت لأتمم مكارم الاخلاق'' میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

حضرت علی، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت انس اور ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن کو مدتوں آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا، سفر وحضر میں آپ کے ساتھ رہے، اور ''صاحب البیت ادری بما فیہ'' کی رو سے یہ حضرات بھائی، بیوی اور خادم وغیرہ ہونے کی وجہ سے

آپ کے اخلاق سے سب سے زیادہ واقف ہیں، ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ ''آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق، نیک سیرت تھے، آپ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار ومتانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے''۔(سیرت النبی جلد۲ صفحہ۲۹۲/۲۹۳)

آپ کے بلند اخلاق کا دشمنوں نے صرف اعتراف ہی نہیں بلکہ اقرار کیا ہے اور شہادت بھی دی ہے، بطور مثال حضرت ابوسفیان کا وہ واقعہ پڑھیں جو صلح حدیبیہ کی مدت میں شاہ روم ہرقل کے دربار میں پیش آیا، جب کہ حضرت ابوسفیان اسلام نہیں لائے تھے۔

کفار مکہ ضد اور ہٹ دھرمی میں آپ کی دعوت ٹھکرادی یہ الگ بات ہے، لیکن کسی کو آپ کی ذات پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی، نبوت کے بعد والی زندگی کی بات چھوڑ یئے نبوت سے پہلے کی زندگی میں بھی کوئی نکتہ چینی کرنے کی ہمت نہ کرسکا، پرلطف بات تو یہ ہے کہ ابوجہل برملا کہتا تھا کہ اے محمد! میں تم کو صادق وامین مانتا ہوں، جھوٹا نہیں کہتا لیکن تمہیں رسول تسلیم نہیں کرتا ہوں اور نہ تمہارے مذہب کی پیروی کرتا ہوں، اس لیے کہ تم ہی کیوں نبی ہوئے کوئی دوسرا کیوں نہیں ہوا؟۔

اخلاق نبوی سے متعلق ایک فرنچ پروفیسر سیڈ یولکھتا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خندہ رو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، بکثرت ذکر خدا کرنے والے، لغویات سے دور، بیہودہ پن سے نفور (متنفر) بہترین عقل رکھنے والے تھے، انصاف کے معاملہ میں قریب وبعید آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک برابر ہوتا تھا، مساکین سے محبت فرمایا کرتے تھے، غرباء میں رہ کر خوش ہوتے، کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے اور کسی بادشاہ کو اس کی بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہ جانتے، اپنے پاس بیٹھنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے، جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے، سفید زمین پر (بلامسند وفرش کے) نشست فرمایا کرتے، اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے، اپنے کپڑے میں خود پیوند لگا لیتے تھے۔

سیرت نبوی کا وہ واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ آپ پر کوڑا کرکٹ ڈالنے والی یہودی عورت آپ کے اخلاق سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئی یہ تھے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ جس سے دشمن بھی مطیع بن کر سرتسلیم خم کردیتے ہیں، پھول تو پھول کانٹے بھی متاثر ہوجاتے ہیں اور ''وان من الحجارة لما يتفجر منه الانهار'' کا بے غبار مفہوم آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

گل تو گل خار مسکرائے ہیں
جب چمن میں حضور آئے ہیں

یوں ہر دور میں اسلام پر یلغار ہوئی، اور اسے بدنام کرنے کی سازش بھی رچی گئی، خوب خوب اعتراضات کی بوچھار کی گئی، لیکن دنیا نے دیکھا کہ آسمان پر تھوکنے والوں کے تھوک خود ان کے منہ پر گرے اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے، ایسے بددماغ اور بے عقل لوگوں کے اشکالات رفع کرنے میں اپنے عزیز وقت کو ضائع کرنے سے بہتر ''واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما'' پر عمل کرنا ہی ہے کیونکہ اگر انکے اعتراضات کے جوابات دے دیئے جائیں تب بھی وہ بات ماننے اور حقیقت کو تسلیم کرنے پر راضی وآمادہ نہ ہوں گے، کیونکہ مقصد تلاش حق یا طلب حقیقت نہیں ہے بلکہ دوسروں کو الجھا کر زک اور پریشان کرنا ہے۔

اسلام پر عائد کئے جانے والے جملہ اعتراضات میں ایک اعتراض یہ ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے، جو لوگ یہ باور کراتے ہیں کہ انھیں اپنے دعوے ثابت کرنے میں دانتوں تلے پسینہ آجائے گا اور ان کے چھکے چھوٹ جائیں گے، ان کے جہل اور کم ظرفی کی یہ بین دلیل ہے، ان کو یہی نہیں معلوم کہ تلوار اسلام کے ہاتھ میں تھی یا کفار مکہ کے ہاتھوں میں تھی، طاقت وقوت اسلام کے داعی کے پاس تھی یا مشرکین کے پاس، اگر اسلام کے پاس ہوتی تو وہ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں اور رات کی تاریکیوں میں لوگوں کو کلمہ حق کی تلقین کیوں کرتے؟ مصائب وآلام کا شکار کیوں ہوتے؟ شب وروز قید وبند کی اذیتوں کو کیوں

برداشت کرتے؟ آرام وآسائش اور منافع کو چھوڑ کر دقت و پریشانی کیوں اختیار کرتے؟ کیاان کو آرام وراحت کی خواہش نہیں تھی؟

جو لوگ غزوۂ بدرواحد کے معرکوں کو پیش کر کے اسلام پر تلوار اٹھانے کا الزام عائد کرتے ہیں، وہ غار ثور میں جھانک کر حق کی مظلومی کا رقت انگیز منظر کیوں نہیں دیکھتے؟ وہ شعب ابی طالب میں محصور قیدیوں کی دردناک اذیتوں کا سراغ کیوں نہیں لگاتے، وہ تاریخ سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ مکہ کے کمزور اور نہتے مسلمان کس کی مظالم سے تنگ آکر اپنے پیدائشی وطن کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے؟ آخر لوگ کس کے قہر وجبر سے پہاڑیوں میں چھپ کر اسلام قبول کرتے تھے، وہ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ اسلام اس وقت سے پھیل رہا ہے، جب بدرواحد کے معرکے کسی کے حاشیہ ذہن میں بھی نہ تھے، اسلام دنیا میں اس لیے پھیلا کہ درحقیقت وہی انسانوں کا فطری مذہب ہے، لہٰذا جس نے بھی اس کو قبول کیا اس نے جبر کا نہیں بلکہ فطرت کا تقاضہ پورا کیا۔

یادرکھئے! اسلام صرف اورصرف قرآن کی تعلیمات سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے پھیلا ہے، تلوار سے نہیں، اسلام کی نشر واشاعت میں تلوار کو اصل قرار دینا، تاریخ وسیرت سے ناواقف اور لاعلمی کی صریح دلیل ہے، دامن اسلام پر کیچڑ اچھالنے والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ سرزمین مکہ پر شہیدان وفا کے خون کا ہر ہر قطرہ آج بھی پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ پیغمبر اسلام نے تلوار چلا کر نہیں بلکہ قرآن سنا کر اسلام پھیلایا ہے، بلال وعمار، خباب ویاسر رضی اللہ عنہم اوران کے علاوہ دیگر صحابہ کرام نے خوف سے نہیں بلکہ شوق سے اسلام قبول کیا تھا، اگر یہ صحیح ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے تو جان لیجئے! قہر وجبر سے گردن تو جھکائی جاسکتی ہے، جسم پر حکومت کی جاسکتی ہے لیکن دل ہرگز ہرگز نہیں جھکایا جاسکتا؛ کیونکہ دلوں کو جھکانے کے لیے اخلاق کا پیکر، کردار کا تقدس اور زبان کی سچائی اور دل کی پارسائی چاہئے، آخر وہ کیا چیز تھی جو حضرت بلال کو اتنی تکلیفوں کے باوجود راہ حق سے ہٹا نہ سکی؟ وہ ایمان کی حلاوت ولذت اور ساقی کوثر کے خم خانہ جاوید کا نشہ تھا جو دردناک اذیتوں کے باوجود نہ اترا، پھر بغرض محال اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اسلام تلوار کی زور سے پھیلا ہے تو ''کارلائل'' کے اس سوال کا جواب کیا ہوگا اور اس کا جواب کون دے گا؟ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تیغ زن سپاہیوں کے زور سے اسلام پھیلایا ہے تو پہلے ان تیغ زن سپاہیوں کو کس تلوار سے مسلمان بنایا''۔

اس اصول کی بنا پر تو چاہئے تھا کہ ان ملکوں میں اسلام کا سایہ بھی نہ پڑتا جہاں تلوار نے اس کا ساتھ نہیں دیا، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ ملک حبشہ پر مسلمانوں نے اس احسان کے بدلے کبھی تلوار نہیں اٹھائی کہ اس نے ایک دفعہ اسلام کے ابتدائی سخت مصیبت کے ایام میں مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دی تھی، تاہم آج وہاں نصف آبادی مسلمان ہے، افریقہ کے ان خطوں میں جہاں مسلمان سپاہیوں کا گزر بھی نہیں ہوا تھا، وہاں حلقہ بگوشان اسلام کی اتنی بڑی تعداد کیونکہ نظر آتی ہے۔

چین پر مسلمانوں نے فوج کشی نہیں کی مگر چار کروڑ مسلمان وہاں کہاں سے گئے؟ جزائر، ملایا مسلمان سلاطین کی تاخت وتاراج سے ہمیشہ محفوظ رہے مگر وہاں چار کروڑ مسلمان کس طرح پیدا ہوگئے، تھائی لینڈ، فلپائن اور مشرق اقصیٰ کے دوسرے ملکوں اور جزیروں میں جہاں کسی مسلمان سپاہی کا قدم بھی نہیں پہنچا اسلام کا قدم وہاں کیونکر پہنچ گیا، ترک وتاتار نے خود مسلمانوں پر تلوار چلائی تھی، ان پر تلوار کس نے چلائی اوران کو مسلمان کس نے بنایا؟ آخر کعبہ کو صنم خانہ سے پاسباں کہاں سے مل گئے، حقیقت یہ ہے کہ اکثر وبیشتر اسلام کی ترقی انہیں طبعی طریقوں سے ہوئی ہے جن سے دنیا میں ہر داعی مذہب کے مذہب کی ہوئی ہے، اور ہوتی رہے گی۔

نکتہ چینی کر رہا تھا جو میرے کردار پر
میں نے اس کے سامنے آئینہ لاکر رکھ دیا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام محاسن ومحامد اور کمالات کے جامع

تھے،عزم،استقلال،شجاعت،صبروشکر،توکل،تحمل،رضابتقدیر،علم وحلم، قربانی ،ایثار ، قناعت ، زہدواستغناء ، جودوسخا، تواضع وخاکساری ، مسکنت وعاجزی ،غرض کہ نشیب وفراز ،بلند وپست ، تمام اخلاقی پہلوؤں کے لے جومختلف انسانوں کومختلف حالتوں میں یا ہر انسان کومختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں،ہم کوعملی ہدایت اورمثال کی بھی ضرورت ہےمگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

حسن یوسف،دم عیسی، ید بیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارم تو تنہا داری

سیرت نگارنبوی ،محقق دوراں ،حضرت العلام سید سلیمان ندوی کے وہ سنہرے الفاظ یقیناً آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں ،جس میں ہرطائفہ انسانی اور ہرحالتِ انسانی کےمختلف مظاہراور ہرقسم کے صحیح جذبات اورکامل اخلاق کا مجموعہ ہے،اختصار کے پیش نظر وہ اقتباس قلم انداز کیا جاتا ہے۔(ملاحظہ ہوخطبات مدارس صفحہ ۸۵/۸۶)

اللہ کا لاکھ لاکھ درود وسلام اس پاک اور برگزیدہ بندہ پرجس نے تکلیف سہہ کر،جسم وجان کوخطرے میں ڈال کر،اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچایا،اوراپنے اخلاق فاضلہ سے دین کو پھیلایا اورعام کیا اللہ ہمیں ان کا کامل متبع فرمان بنائے اور روزمحشر میں محسن دوعالم،شفیع اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔(آمین)

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

قاضی سید حسین احمد مظفرآباد،سہارنپور

یاغیاثی عن کل کربة
یامکافی عند کل شدة
یارجائی حین تنقة حیلتی

اے فریاد کوسننے والے ہرمصیبت کے وقت، اے گناہوں کو معاف کرنے والے ہرسختی کے وقت ،اے امیدوں کوبرلانے والے میری مختصردعا کوقبولیت کا بہانہ بنادے۔

خواجہ فخرالدین مشہدی’’برکات الاولیا‘‘میں لکھتے ہیں کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ پریشانی اورمصیبت کے وقت ایک سوگیارہ مرتبہ یہ آیت پڑھا کرتے تھے” وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْن، وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ“ خواجہ صاحب نے تبلیغ کے موقعہ پراس عمل کوبار بار پڑھا کرتے تھے،یہ وہ نازک زمانہ تھاجب راجستھان میں بت پرستی کا شدیدطوفان برپا تھا،ہرطرف نفس پرستی کی آگ شعلہ زن تھی امراء ہوس رانی ونشہ میں سرشار تھے،عام باشندے حق پرستی کی روشنی سےمحروم ہوگئے تھے،خدا پرستی کا نظام شل ہوکر رہ گیا تھا،اس وقت ہرطرف حرام کاری کےفتنوں اور ہنگاموں کی آندھی چل رہی تھی، باطل پرستی کے بادل چھائے ہوئے تھے،خواجہ صاحب نے بڑے استقلال سے پریشانیوں کا مقابلہ کیااورآیت مذکورہ کوصبح وشام پڑھتے رہے،اس کی برکت یہ ظاہر ہوئی کہ بت پرست امراء کا زورٹوٹ گیا، گناہوں کےظلمت کدے ہدایت کے مطلع انوار بن گئے،اطاعت رسول اورصراط مستقیم ان کے سامنے آگئی،دنیا کی محبت کم ہوئی اورحق کا عشق زندگی کی محبت پرغالب آگیا،شمع توحید کے پروانے بت پرستی کی تیزآندھیوں کا پرزورمقابلہ کرکے کامیاب ہوگئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اضطراب و بےچینی کےوقت یہ کلمات بھی پڑھا کرتے تھے” لاالـــہ الا الـلــہ الـحليم الحكيم ، لااله الا الله رب العرش العظيم، لااله الا الله رب السمـوات والارض اعـوذ بـكـلـمـات الـلـه التامة من شــر مـــا خـــلــق “ان کلمات کوایک سوبار پڑھنے سےتمام مشکلات وصعوبات پرقابوحاصل ہوجاتا ہے،ہمارے سامنے جب خطرات کے پہاڑ آئے تو یہ کلمات پڑھے گئے الحمدللہ سارے فتنے ختم ہوگئے،اللہ پاک ہم سب کوعافیت نصیب فرمائے۔

❁❁❁❁

چشم کشا

علماء کے اختلاف کیسے ختم ہو سکتے ہیں؟

یہ مضمون ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'' کے مدیر محترم مولانا ندیم الواجدی نے وقت اور حالات کے تقاضے کے پیش نظر کہ ''علماء کے اختلاف کیسے ختم ہو سکتے ہیں'' بڑا مدلل ومبرہن تحریر کیا اور اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، بعض دوستوں نے خاص طور سے مولانا کبیر الدین فاران مظاہری مسروالا کی تائید سے اس مضمون کو قارئین کے افادہ کے پیش نظر شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت احنف بن قیس سے پوچھا کہ زمانے کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا، زمانہ تم ہو، اگر تم ٹھیک ہو تو زمانہ ٹھیک ہے اور تم بگڑ گئے تو زمانے کا خدا حافظ، حضرت احنف بن قیس کا یہ جواب آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، انہوں نے ایک ہی جملے میں مرض کی تشخیص بھی کردی اور اس کا علاج بھی تجویز کردیا، حقیقت یہ ہے کہ ہر دور کے خواص ہی پر معاشرے کے فساد وصلاح کا انحصار ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کی جماعت خواص کی جماعت تھی اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے یہ منصب سنبھالا، ان کے بعد بھی خواص کی بہت سی جماعتیں آئیں اور گئیں اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، ہمارے زمانے میں اس دور کے علماء خواص کہلائیں گے کیونکہ یہی لوگ انبیائے کرام کے حقیقی جانشین اور کار نبوت کے اصل ذمہ دار اور محافظ ہیں، حضرت احنف بن قیس زندہ ہوتے اور ان سے آج کل کے علماء یہ سوال کرتے جو حضرت معاویہ نے کیا تھا تو ان کا جواب یہی ہوتا کہ زمانہ تو تم ہو، تم بگڑتے ہو تو زمانہ بگڑتا ہے، تم سدھرتے ہو تو زمانہ سدھرتا ہے۔

آج کل علماء طبقہ کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، باہمی اختلافات، جھگڑے، رنجشیں اپنے عروج پر ہیں، ہر روز کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا رہتا ہے، کبھی کسی مسجد کی امامت کے مسئلے پر، کبھی کسی مدرسے کے اہتمام کے معاملے میں اور کبھی کسی جماعت کے حوالے سے علماء کے جھگڑے اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں، اختلافات کہاں نہیں ہوتا جہاں چند لوگ ہوتے ہیں وہاں کسی معاملے میں ایک کی رائے دوسرے سے مختلف ہوسکتی ہے، دیکھا جائے تو اختلاف رائے فی نفسہ مذموم چیز بھی نہیں ہے، بشرطیکہ خلوص نیت کے ساتھ ہو اور ہر معاملے میں شرعی حدود کی پاسداری کی جارہی ہو، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اختلاف کے محمود ومذموم ہونے کا معیار دین کو قرار دیا ہے، فرماتے ہیں ''اتفاق صرف اسی وقت مطلوب ومحمود ہے جب کہ دین کو مفید، اور نا اتفاقی جب ہی مذموم ہے جب کہ دین کو مضر ہو''۔ (ملفوضات کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۶)

اگر اختلاف کے موقع پر اس معیار کو سامنے رکھ لیا جائے تو بہت سے اختلافات کی تو نوبت ہی نہیں آئے گی کیونکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ عموماً ذاتی رنجشیں اور کدورتیں اختلافات کا سبب بنتی ہیں اور رفتہ رفتہ وہ اختلاف جھگڑوں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں، اور اگر کوئی ایک فریق پسپائی اختیار نہ کرے تو یہ اختلاف افتراق پر منتج ہوتا ہے، ہمارے اکابرؒ (اللہ تعالی ان کی قبروں کو نور سے بھردے) ہر معاملہ کی تہہ تک پہنچ جایا کرتے تھے، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اختلاف

واتحاد کی بنیادوں کی نشاندھی کی ہے، اگر اختلاف کرنے والوں میں خوداحتسابی کی عادت ہواوران بنیادوں پرغور کرلیا کریں تو ہوسکتا ہے کہ بہت سے اختلافات پیدا ہی نہ ہوں یا پیدا ہوں تو جلداز جلد ختم ہوجائیں اور یہ بھی ممکن ہے اچھائی کے ساتھ ختم ہوں، حکیم الامت حضرت تھانوی نے حضرت حاجی صاحب کے یہ دوارشادات نقل کئے ہیں، فرمایا ہمارے حضرت پیرومرشد فرمایا کرتے تھے کہ اختلاف ومنافرت کی بنیاد کبر ہے، اختلاف ہمیشہ نفسانیت اور ترفع سے ہوا کرتا ہے۔ (حسن العزیز جلد۴ صفحہ۲۴۲)

دوسری جگہ فرمایا ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے، دومتکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا؛ کیونکہ جب کسی شخص میں تواضع ہوتی ہے تو اس کو یہ مشکل معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے آپ کو دوسرے کا تابع بنادے اوراپنی رائے کو دوسرے کی رائے کے مقابلے میں اصرار نہ کرے اور متکبر سے یہ کام کبھی نہیں ہوتا، جولوگ متواضع ہوں گے ان میں آپس میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا اور بدون تواضع کے کبھی اتفاق پیدا نہیں ہوسکتا۔ (مجالس حکیم الامت صفحہ ۹۸)

علماء کی فضیلت اور ہر دور میں ان کی ضرورت واہمیت سے کسے انکار ہوسکتا ہے، اگر علماء نہ ہوں تو دین کے ایک مسئلے پر عمل کرنا بھی دشوار ہوجائے، یہ امت کبھی علماء سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، کیونکہ اللہ تعالی نے انہیں بطور خاص اپنے بندوں میں سے منتخب کر کے اپنی کتاب کا وارث بنایا ہے، قرآن کریم میں ہے:" ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا "(الفاطر ۳۲) پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا۔

حدیث شریف میں علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے یہ وراثت مال ودولت اور زمین جائیداد کی وراثت نہیں ہے بلکہ علوم نبوت کی وراثت ہے، جو ہر شخص کو نہیں ملتی بلکہ ان لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جن کا مرتبہ اللہ تعالی کے یہاں بے حد بلند ہوتا ہے۔

طبرانی میں بروایت حضرت ثعلبہؓ یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی قیامت کے دن علماء امت سے فرمائیں گے کہ میں نے تمہارے سینوں میں اپنا علم ومعرفت اسی لیے رکھا تھا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری مغفرت کردوں خواہ تمہارے اعمال کیسے بھی ہوں۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوموسی اشعریؓ سے منقول ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی قیامت کے دن اپنے سب بندوں کو جمع کریں گے پھران میں سے علما کو ایک ممتاز مقام پر جمع کر کے فرمائیں گے کہ میں نے اپنا علم تمہارے دلوں میں صرف اس لیے رکھا تھا کہ میں تم سے واقف تھا، میں نے اپنا علم اس لیے نہیں رکھا تھا کہ تمہیں عذاب دوں، جاؤ میں نے تمہاری مغفرت کردی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ وفات کے بعد امام محمد کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا، فرمایا جب میں دربار خداوندی میں حاضر ہوا تو مجھ سے فرمایا گیا کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا اے اللہ میری مغفرت فرمادیجئے فرمایا اے محمد! اگر ہمیں تم کو عذاب دینا ہوتا تو یہ علم عطا نہ کرتے، اسی سے بعض حضرات نے یہ استنباط کیا ہے کہ علماء کے علاوہ کسی کو یہ خبر نہیں کہ ہمارے ساتھ خدا کا کیا معاملہ ہوگا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کردیتا ہے" یعنی عالم دین بنا دیتا ہے، اس استدلال کے بعد حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اب سمجھ میں آ گیا کتنی بڑی ضرورت اور کیسی فضیلت ہے علم دین کی کہ خدا تعالی بدون اس کے خوش نہیں ہوسکتے، رضائے حق علم دین حاصل کرنے پر موقوف ہے۔ (دعوات عبدیت، وعظ حق الاطاعۃ صفحہ ۴۲)

یہ اوراس طرح کی بیشمار روایات ہیں جن سے اہل علم کے مرتبے اور مقام کا پتہ چلتا ہے ایسا تو نہیں کہ اس طرح کی روایات وواقعات سے بعض علماء نے یہ سمجھ لیا ہو کہ ہم جو چاہے کریں ہمارا کچھ بگڑنیوالا نہیں ہے اور ہمارے ساتھ بالیقین وہی معاملہ ہوگا جو امام محمد کے ساتھ ہوا اور ہم ان علماء میں شامل ہیں جن سے کہا جائے گا کہ جاؤ تمہاری

مغفرت کردی گئی، خواہ تمہارے عمل کیسے بھی ہوں، اگر واقعی ایسا سمجھا جارہا ہے تو یہ بڑی نادانی ہے، اسی سورۂ فاطر میں ہے" انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء"(الفاطر ۲۸) اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ڈرتے ہیں۔

لفظ''انما'' کی وجہ سے بظاہر آیت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اللہ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں دوسرے نہیں ڈرتے، مگر مفسرین لکھتے ہیں کہ انما صرف حصر کے لیے ہی نہیں آتا بلکہ کسی چیز کی خصوصیت بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے، اور یہاں یہی مراد ہے کہ خوف خدا علماء کا ایک خاص وصف ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر علماء میں خوف خدا نہیں ہوتا، اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ بہت سی احادیث یاد کر لینے کا نام علم نہیں ہے بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف بھی ہو، حضرت ربیع ابن انس فرماتے ہیں کہ جس میں خوف خدا نہیں وہ عالم نہیں، حضرت مجاہد فرماتے ہیں عالم وہی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، حضرت حسن بصریؒ نے ارشاد فرمایا کہ عالم وہ ہے جو اللہ سے بے دیکھے ڈرے اور اللہ کے پسندیدہ امور کی طرف راغب ہو اور ناپسندیدہ امور سے اجتناب کرتا ہو، سعد بن ابراہیم سے کسی نے سوال کیا کہ مدینہ میں سب سے بڑا فقیہ کونسا ہے، فرمایا جو اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔(ابن کثیر، مظہری وغیرہ)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی عالم وہی ہے جس میں خشیت ہو، خوف ہو، بہت سے علماء ایسے نظر آتے ہیں جو دین کے معاملے میں بڑے جری ہوتے ہیں، ان میں خوف خدا نام کو بھی نہیں پایا جاتا، ایسے لوگ نام کے عالم ہوں گے، قرآن وحدیث میں علماء کے جس قدر بھی فضائل مذکور ہیں ان کا تعلق صرف ان اہل علم سے ہے جو حقیقی عالم ہیں، اس سے وہ علماء ربانیین مراد ہیں، جنہیں اللہ کی ذات وصفات اور افعال وشؤن کی معرفت حاصل ہو جو باعث خشیت ہے، محض صرف ونحو، منطق وفلسفہ وغیرہ علوم نقلیہ وعقلیہ کے جاننے والے مراد نہیں، اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد نہایت اہمیت کا حامل ہے''مولوی اس کو کہتے ہیں جو علم دین بھی رکھتا ہو اور متقی بھی ہو، خوف خدا وغیرہ اخلاق حمیدہ بھی رکھتا ہو، صرف عربی جاننے سے آدمی مولوی نہیں ہوتا، چاہے وہ کیسا ہی ادیب ہو، عربی میں تقریر بھی کر لیتا ہو، تحریر بھی لکھ لیتا ہو، کیونکہ عربی داں تو ابوجہل بھی تھا، بلکہ وہ آج کل کے ادیبوں سے زیادہ عربی داں تھا، وہ تو بڑا محقق عالم ہونا چاہئے تھا، حالاں کہ اس کا نام ہی ابوجہل تھا، معلوم ہوا کہ صرف عربی داں کا نام مولویت نہیں (التبلیغ جلد ۱؍صفحہ ۱۳۳) ایک جگہ فرمایا''عالم کہتے ہیں متبع سنت کو؛ کیونکہ مولوی میں نسبت ہے مولی کی طرف یعنی مولا والا، سو جب تک وہ اللہ والا ہے، اسی وقت مولوی بھی ہے لائق اتباع بھی ہے'' (التبلیغ جلد ۱؍صفحہ ۱۳۴) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا''علم موقوف علیہ اور خشیت کی شرط ہے، خلاصہ یہ ہے کہ خشیت بدون علم کے نہیں ہوتی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں علم ہوگا وہاں خشیت بھی ضروری ہوگی، محض علم سے خشیت ہونا ضروری نہیں، اس کے لیے تدبیر مستقل کی حاجت ہے''۔(التبلیغ جلد ۲؍صفحہ ۵۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عالم کے لیے ضروری ہے کہ اس کے دل میں خوف خدا ہو، اور اگر کسی ادارے میں اللہ کا خوف رکھنے والے موجود ہیں تو جھگڑوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کسی بھی معاملے میں حدود شرع سے تجاوز نہیں کریں گے، اور وہ ہر اقدام سے پہلے یہ سوچیں گے کہ کہیں اس میں خدا کی پکڑ نہ ہو جائے اور یہ معاملہ اخلاص اور للّٰہیت کے خلاف نہ ہو، اللہ کا خوف ہوگا تو عالم دوسروں کے حقوق کی رعایت بھی کرے گا، چھوٹا ہوگا تو بڑوں کا احترام کرے گا، بڑا ہوگا تو چھوٹوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرے گا، غصہ آئے گا تو یہ سوچ کر معاملے کو نظرانداز کرے گا کہ "الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس" کی رو سے غصے پینے والوں اور معاف کرنے والوں کی خدا کے یہاں بڑی فضیلت ہے، مادی فائدوں کا معاملہ ہوگا تو دوسروں کے لیے ایثار وقربانی کا جذبہ خود بخود دل میں پیدا ہوگا، کیونکہ حقیقی عالم ہی اس حقیقت سے واقف ہے کہ صحابہ کرام آپس میں کس قدر رحم دل تھے،

اور کتنا وہ ایک دوسرے کے لیے ایثار کیا کرتے تھے، اگر ہمارے علماء صحابہ کرام کا صرف یہ ہی ایک وصف اختیار کرلیں تو مسجدوں، مدرسوں اور تنظیموں کے آدھے سے زیادہ مسائل خود بخود ختم ہو جائیں۔

ایک اور چیز جو اختلافات کے خاتمے میں مؤثر ہوسکتی ہے، وہ ہے عہدے حاصل کرنے کی خواہش سے پرہیز، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ عہدوں کی طلب اور خواہش ہی اس معاملے میں ام الامراض کی حیثیت رکھتی ہے تو غلط نہ ہوگا، عہدہ خواہ کتنا ہی چھوٹا اور معمولی کیوں نہ ہو، اپنے جلو میں بے شمار ذمہ داریوں کا بوجھ لے کر آتا ہے اور تمام ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ برآ ہونا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو، نہایت مشکل کام ہے، اسی لیے اکابرین امت نے ہمیشہ عہدوں سے اجتناب کیا ہے، طلب تو خیر کبھی نہیں رہی، پیش کش بھی کی گئی تو پائے حقارت سے ٹھکرانے کی کوشش کی اور اگر کسی نے کوئی عہدہ قبول بھی کیا، تو بادل ناخواستہ کیا اور صرف امت کے مفاد کو سامنے رکھ کر کیا؛ کیونکہ انکے سامنے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات عالیہ موجود تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن بن سمرہ تم منصب امارت نہ مانگو اس لیے کہ اگر تمہیں بغیر مانگے یہ عہدہ دیا گیا تو تمہاری خدا تعالی کی طرف سے اعانت کی جائے گی اور اگر تم نے طلب کے ذریعہ یہ عہدہ حاصل کیا تو تمہیں اس عہدے کے سپرد کردیا جائے گا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری سے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر میں تمہیں کمزور خیال کرتا ہوں، اور مجھے تمہارے لیے وہی پسند ہے جو اپنے لیے پسند ہے، تم دو آدمیوں پر بھی ہرگز امیر مت بننا اور نہ یتیم کے مال کی ذمہ داری قبول کرنا (مسلم) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم منصب امارت کی خواہش کروگے، حالانکہ تمہارے لیے قیامت کے دن یہ منصب ندامت کا سبب بنے گا (بخاری) حضرت ابوموسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میرے دو چچازاد بھائی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان دونوں نے منصب کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں ایسے شخص کو ہرگز یہ ذمہ داری سپرد نہیں کروں گا جو اس کا سوال کرے گا یا اس کی خواہش رکھے گا۔ (بخاری)

اگر کسی عالم کو کوئی منصب مل جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے رفقائے کار کو مشوروں میں شریک کرے، ان کی رائے کو اہمیت دے، ان کی عزت نفس پر حملہ نہ کرے اور ان کے ساتھ رفق وملاطفت کا معاملہ کرے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:" واخفض جناحك لمن اتبعك من المومنين"(الشعراء ۱۹) مسلمانوں میں سے جو آپ کے متبع ہوں ان کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے۔

حضرت عائشہ روایت فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے اس گھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! جس کے سپرد میری امت کا کوئی معاملہ کیا گیا اور اس نے میری امت کو مشقت اور سختی میں ڈالا تو بھی اسے مصائب میں گرفتار کر اور جس نے میری امت کے معاملات میں انہیں سہولت پہچائی اور نرمی سے کام لیا تو تو بھی اسے سہولت عطا کر اور اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرما۔ (مسلم)

مسلمانوں کا عام مزاج یہ ہے کہ وہ مشکل ہی سے کسی کی قیادت، بالاتری، یا بالادستی قبول کرتے ہیں، حالانکہ سمع وطاعت بھی اسلامی تعلیمات کا ایک حصہ ہے، اگر کسی شخص کو ارباب بست وکشاد نے کسی منصب پر متعین کردیا ہو یا وہ انتخاب کے ذریعہ کسی عہدے پر فائز ہو یا شورائی نظام کے تحت اس نے کوئی ذمہ داری حاصل کی ہو تو ماتحت لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس کے اختیارات کو چیلنج نہ کریں بلکہ اس کو خدا کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرلیں، عموماً جھگڑوں کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنی ناپسندیدہ شخصیت کو اپنے سے برتر دیکھنا پسند نہیں کرتے، حالانکہ ہمیں صاف صاف حکم دیا گیا ہے:" یاایها الذی آمنوا اطیعوا لله واطیعو الرسول واولی الامرمنکم" (النساء

۵۹) اے ایمان والوں حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان پر سننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے خواہ وہ حکم اسے اچھا لگے یا برا لگے، البتہ اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو اس کی اطاعت نہ کرو (بخاری و مسلم) یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر اصحاب مناصب کو پورے حقوق اور اختیارات دیئے جائیں تو بہت سے جھگڑے اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ اگر کسی کو کسی ادارے یا مدرسے میں بڑا بنا دیا جاتا ہے تو وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کی جا بجا سختیوں کی وجہ سے اس کے خلاف ہو جاتے ہیں اور اس کی معزولی کی تمنا کرنے لگتے ہیں، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ نے ایک مرتبہ ایسے ہی کسی معاملے میں ارشاد فرمایا ''سرداری کے لیے ضروری ہے کہ اپنا طریق حاکمانہ اختیار کرنے کے بجائے حکیمانہ رکھے، اللہ نے جگہ جگہ حکمت کا ذکر فرمایا ہے، نیز اخلاق بہت اونچے رکھے اور سردار کے لیے اخلاقیات میں سب سے بلند چیز حلم ہے، کسی ناشائستہ حرکت پر اپنی ذات کے لیے غصہ ہی نہ آئے۔ (معارف مسیح الامت ۸۵)

علماء کو چاہئے کہ وہ اختلافات سے حتی الوسع اجتناب کریں، اختلافات نہ ان کے حق میں مفید ہیں اور نہ مسلمانوں کے حق میں، یہ دور ذرائع ابلاغ کا ہے، قدم قدم پر کیمرے کی آنکھیں، یا اخبار نویسیوں کی متجسس نگاہیں آپ کو دیکھ رہی ہیں، کوئی پتہ ادھر کھڑکتا نہیں ادھر ان کو خبر ہو جاتی ہے، پھر آپ کے جھگڑوں کی خبریں عوام کی ضیافت طبع کے لیے پیش کر دی جاتی ہیں، اس سے علماء کا وقار کم ہوتا ہے، لوگ مولویوں کو عہدوں کا لالچی، اقتدار پرست، دولت کا غلام اور نہ جانے کیسے کیسے القاب سے نوازتے ہیں، جو علماء اختلافات سے دور ہیں اور نیک نیتی کے ساتھ دین کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی عوام کی تنقید کا نشانہ بنتے ہیں، اعتماد سب کا مجروح ہوتا ہے، ہماری تھوڑی سی احتیاط ہماری شخصیتوں کا اور ہمارے اداروں کا اعتماد و اعتبار بحال رکھ سکتی ہے، دین کے کاموں میں تسلسل برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ عوام میں علماء کی جڑیں مضبوط ہوں اور لوگ ان پر دین کے معاملہ میں بھرپور اعتماد کرتے ہوں، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک وعظ کے دوران ارشاد فرمایا کہ علماء کی جماعت میں اگر ایک شخص بھی لاابالی (بدعمل اور بے پرواہ) ہوتا ہے تو اس کا اثر سب پر پہنچتا ہے اور یہ اثر دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کو دیکھ کر عوام بدعملی پر جرأت کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ سب علماء سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے علماء پر اعتراض کی نوبت آ جاتی ہے اور پھر اعتراض سے بدگمانی تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ (دعوات عبدیت جلد ۳ / صفحہ ۱۸/۱۵)

ہمارے اکابر کا حال یہ تھا کہ جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے اس معاملے ہی سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کرلیا کرتے تھے، حضرت تھانوی نے ایک مرتبہ اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ میرا عمر بھر کا یہی معمول ہے، حضرت نے اپنے اس معمول پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، یہ حدیث رزین سے الجامع الصغیر میں مرفوعاً روایت کی گئی ہے، حدیث کا مضمون یہ ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

" نعم الرجل الفقيه إن احتيج اليه نفع وإن استغنى عنه اغنى نفسه" بہترین فقیہ وہ ہے کہ اگر لوگ اس کی ضرورت محسوس کریں تو نفع پہنچائے اور اس سے بے نیازی اختیار کریں تو استغناء اختیار کرے۔ (مجالس حکیم الامت صفحہ ۱۹۰)

یہ حضرات تو اختلاف کی صورت میں عہدہ تک چھوڑ دیا کرتے تھے، چنانچہ آزادی سے پہلے کانگریس اور مسلم لیگ کے جھگڑوں کے دوران جب ذمہ داران دارالعلوم دیوبند نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی بات نہیں سنی اور اندیشہ اختلاف کا ہوا تو آپ نے دارالعلوم کی سرپرستی سے فوراً استعفیٰ بھجوا دیا، آپ اس کے لیے بھی آمادہ تھے کہ

اگر مخالفین خانقاہ اور مدرسہ (واقع تھانہ بھون) خالی کرنے کے لیے کہیں گے تو میں فوراً خالی کردوں گا، ارشاد فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں یہاں (تھانہ بھون میں) یہ تجویز بھی ہوئی تھی کہ ان سے خانقاہ ومدرسہ خالی کرانا چاہئے اور میں ہر وقت اس پر تیار رہتا تھا کہ اگر ایک بچہ نے بھی آ کر مجھ سے کہا تو میں فوراً بلا مزاحمت خانقاہ خالی کردوں گا۔ (القول الجلیل صفحہ ۶۶)

سید المحدثین حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے اس وقت جب کہ وہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھے، یہاں کے نظام اہتمام پر برسر عام تنقید کی تھی، ذمہ داران مدرسہ نے بربنائے مصالح ان کو مدرسہ سے علیحدہ کردیا، علامہ کشمیری خاموشی کے ساتھ اپنے شاگردوں اور رفیقوں کی ایک جماعت کو لے کر ڈابھیل (گجرات) چلے گئے اور خدمت حدیث میں مشغول ہوگئے، انہوں نے متوازی دارالعلوم قائم نہیں کیا، حالاں کہ اگر وہ کسی جھونپڑی میں بھی بیٹھ جاتے تو شمع علم کے پروانے وہیں جمع ہوجاتے، مگر انہوں نے دارالعلوم کی مرکزیت پر آنچ نہیں آنے دی، دارالعلوم کی علیحدگی کی ان کو عمر بھر تکلیف رہی، مگر کبھی اس پر احتجاج نہیں کیا، فرمایا کرتے تھے کہ حق بات کہنے پر دارالعلوم سے نکالا گیا ہوں، اس سے یہ سبق ملا کہ ہر حق بات کہنے کی نہیں ہوتی، دور کیوں جایئے یہ تو ہمارے زمانے کا قصہ ہے، جب حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کو یہ معلوم ہوا کہ رات کے کسی حصے میں فریق مخالف دارالعلوم پر قبضہ کرلیا ہے تو اپنے صاحبزادوں سے فرمایا دارالعلوم اللہ کی امانت ہے وہ یہ امانت کسی سے بھی چھین کر کسی کو دے سکتا ہے، کل دارالعلوم ہمارے پاس تھا ہم خدمت کررہے تھے، آج ان کے پاس ہے وہ خدمت کریں گے، یہ بات پورے دعوے کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حضرت قاری طیب صاحب نے اس قضیۂ نامرضیہ کے دوران نہ اپنے قلم سے کسی کو برا بھلا لکھا اور نہ زبان سے کسی کو کچھ کہا۔

یہاں میں عوام سے بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ اگر کچھ علماء آپس میں جھگڑا کررہے ہوں تو بلا تحقیق کسی سے بدگمان ہونا ٹھیک نہیں ہے اور تمام علماء سے بدگمان ہوکر ان کو برا بھلا کہنا تو کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے، اس سلسلے میں بھی ہم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے کتابوں سے دو اقتباسات پیش کریں گے، عوام کو چاہئے کہ وہ علماء کے اختلافات کو اسی نقطہ نظر سے دیکھیں اور اسی کے مطابق عمل کریں فرمایا: ''میں یہ نہیں کہتا کہ اس اختلاف میں مولویوں کی خطا نہیں بلکہ ضرور ہے مگر آپ کی اتنی شکایت ضرور کروں گا کہ اس اختلاف کی وجہ سے سب کو چھوڑ دینا بے ترتیب اور غلط رائے ہے، مولویوں کی شکایت ہم کو بھی ہے مگر صرف ان کی جو ناحق پر ہیں''۔ (التبلیغ اسباب الفتنہ)

''مقتضائے حق یہی ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو اول یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون، جب حق متعین ہوجائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے۔ (ملفوضات کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۲۷)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عالم باعمل بنائے، اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق بخشے اور ہمارے مدرسوں اور اداروں کو علماء کرام کے باہمی اختلافات سے محفوظ رکھے۔

اقوال زریں

۱- ضرورت مند کی جائز حاجت پورا کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ (امام حسنؓ)

۲- ایسے کام کرنے سے پرہیز کرو جن پر عذر خواہی کی نوبت پہنچے۔ (یوسف اسباطؒ)

۳- جو آدمی دعائیں نہ مانگے وہ بدقسمت ہے اور اس کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ (بختیار کاکیؒ)

۴- مرد وہ ہے جس کا کردار اس کی گفتگو کے مطابق ہو۔ (سری سقطیؒ)

۵- اگر دشمن پر قدرت ہوجائے تو اس قدرت کا شکر اس طرح ادا کرو کہ دشمن کو معاف کردو۔ (حضرت علیؓ)

۶- مصیبت یا خوشی کے وقت ناحق بات سے بچو اور حق بات پر ڈٹے رہو۔ (حسن بصریؒ)

﴿انتخاب: محمد شہزاد کمیش پور، سہارنپور﴾

تحقیق ونظر

فقہ حنفی اور امام اعظمؒ

مولانا محمد حذیفہ غلام محمد وستانوی، استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

ایک انگریز کا مقولہ:

ایک انگریز نے لکھا ہے کہ فقہ حنفی کے سوا کسی مذہب پر سلطنت نہیں چل سکتی، کسی مذہب میں ایسی وسعت معاملات اور سیاسیات نہیں، فقہ حنفی کو اس بارے میں امتیاز ہے، انگریز چوں کہ فن سیاست میں خوب ماہر ہیں، اس لیے ان کو قدر ہوتی ہے۔

میں تو سچ کہتا ہوں کہ حضرات فقہاء کے دماغ کے سامنے سلاطین اور وزراء کا دماغ کچھ بھی نہیں۔ (حق العزیز: ص۲۰۳/ ج۳)

ایک انگریز نے لکھا ہے کہ سلطنت کسی کے فقہ پر نہیں چل سکتی سواء فقہ حنفی کے، ایک سیاسی شخص کا یہ کہنا ضرور بڑے تجربہ کی خبر دیتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کی عجیب نظر ہے۔

دیکھئے امام صاحب کا قول ہے کہ آلات لہو کا توڑ ڈالنا واعظ کو یا کسی کو جائز نہیں، اگر توڑ ڈالے تو ضمان لازم آئے گا، یہ کام سلطان کا ہے وہ احتساب کرے، سزا دے اور جو چاہے کرے، دیکھئے اس میں کتنا امن ہے سواء سلطان کے اور کسی کے احتساب کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ کام بند تو ہوتا نہیں جنگ وجدل ہو جاتا ہے اور باہمی تنازعات بڑی دور تک پہنچ جاتے ہیں ''علیٰ ھذا'' اقامت حدود سلطان ہی کے ساتھ خاص ہے۔ (حسن العزیز: ص۳۶۲/ ج۳)

کیا امام صاحب سوادِ اعظم سے اختلاف فرمایا؟:

اگر اشکال ہو کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوادِ اعظم کا اختلاف خیر القرون میں کیا ہے، جواب یہ ہے کہ اس وقت خیر القرون والے امام صاحب کی بات کو یقیناً (بالیقین) باطل نہ کہتے تھے بلکہ اس پر متفق تھے کہ شاید امام صاحب ہی حق پر ہوں تو احتمال حقانیت پر سواد اعظم متفق تھا۔ (الافاضات: ص۴۸/ ج۱)

حدیث کے ظاہر پر عمل نہ کرنا حدیث کی مخالفت نہیں:

اجتہاد سے جس طرح حکم کا استنباط کرنا جائز ہے اسی طرح اجتہاد سے حدیث کو معطل سمجھ کر مقتضاء علت پر عمل کرنا اور ظاہر الفاظ پر عمل نہ کرنا حدیث کی مخالفت نہیں ہے، ایسا اجتہاد بھی جائز ہے اور ایسے اجتہاد کی تقلید بھی جائز ہے۔ (الاقتصاد: ص۱۴)

مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ایک لونڈی ام ولد سے متہم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ اس کی گردن مارو، حضرت علی اس کے پاس تشریف لائے تو اس کو دیکھا ایک کنوئیں میں اتر کر بدن ٹھنڈا کر رہا ہے، آپ نے اسکو کنویں سے نکالا تو وہ مقطوع الذکر تھا اس لیے آپ سزا دینے سے رگ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ نے ان کے عمل کو مستحق فرمایا (رواہ مسلم) ایک واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اور صاف حکم موجود تھا مگر حضرت علی نے اس کو معطل بعلت سمجھا اور چونکہ اس علت کا وجود نہ پایا اس لیے سزا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا بل کہ پسند فرمایا، حالاں کہ یہ عمل ظاہرا اطلاق حدیث کے خلاف تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی علت سمجھ کر اس پر عمل کرنا بظاہر الفاظ سے بعید معلوم ہوا، عمل بالحدیث کے مخالفت نہیں۔ (الاقتصاد: ص۱۶)

امام صاحب غایت درجہ حدیث کے متبع ھیں:

ایک شخص نے بیان کیا کہ ہندو داروغہ کے سامنے، غیر مقلدوں

نے حضرت ابوحنیفہ پر اعتراض کیا کہ امام صاحب کے قائل ہیں کہ اگر محرم عورت سے نکاح کرے اور وطی کر لے تو اس پر حد واجب نہیں یہ کیسی (بڑی) غلطی ہے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ اسی مسئلہ میں امام صاحب پر فدا ہو جانا چاہئے اس کے بیان کے لیے مقدموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ حدیث میں ہے ''ادرء والحدود بالشبہات'' کے ایک مقدمہ یہ ہوا، اور دوسرا یہ کہ شبہ کس کو کہتے ہیں، شبہ کہتے ہیں مشابہ حقیقت کو اور مشابہ کے لیے کوئی وجہ شبہ ہوتی ہے اور اس کے مراتب مختلف ہوتے ہیں کبھی مشابہت قوی ہوتی ہے اور کبھی ضعیف، امام صاحب نے حدود کے ساقط کرنے کے لیے ادنی درجہ کی مشابہت کو بھی معتبر مانا ہے اور صرف نکاح کی صورت پیدا ہو جانے سے کہ باوجود حقیقت نکاح نہ ہونے کے مشابہ تو ہے نکاح کے (اس لیے) حد کو ساقط کر دیا، انصاف کرنا چاہیے کہ یہ کس درجہ عمل بالحدیث ہے، بات یہ ہے کہ ایک صحیح معنی کو برے اور مہیب الفاظ کی صورت پہنا دی گئی ہے۔

اس فتوی کی حقیقت غایت درجہ کا اتباع حدیث ہے لیکن اس کو بیان اس طرح کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ امام صاحب نے نکاح بالمحرمات کو چنداں برا نہیں سمجھا، اس کے سوا اور بھی چند مسائل اسی طرح بری صورت سے بیان کر کے اعتراض کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ مذکورہ میں اعتراض جب تھا کہ اس پر امام صاحب کوئی زجر و احتساب تجویز نہ فرماتے آخر حدیث ''ادرؤالحدود بالشبھات'' کی تعمیل کہیں تو ہوگی اور کوئی تو موقع ہوگا جہاں اس کو کر کے دکھایا جائے۔

(حسن العزیز ص/۳۶۴ ج:۳)

احادیث کی تاویل اور اس کے محمل کی تعیین کا معیار:

اس کی ضرورت نہیں کہ کوئی صریح حدیث ہی امام صاحب کے فتوے کے موافق ہے بلکہ جیسا کوئی آیت یا حدیث ذو محملین ہو تو مجتہد دوستوں میں سے ایک کا مرجع ہوا ہوتا ہے۔

اسی طرح مخالف احادیث کی تاویل کے لیے بھی ذوق مجتہد کافی ہے، اب اسی طرز کو پیش نظر رکھ کر آپ اکابر کے قول کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سلف کا طرز بالکل یہی تھا، اب طالب علموں میں غلو ہو گیا ہے، وہ مجتہد کے ذوق کے صحت کے لیے صریح حدیث کو ڈھونڈتے ہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ (القول الجلیل:۷۲)

امام صاحب کی شان فقاہت اور ذوق اجتہادی کی مثال:

مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو نمازی کے سامنے سے گزرے تو وہ شیطان ہے اور ارشاد ہے ''فَلْيُقَاتِلْهُ'' یعنی اگر ہٹانے سے نہ ہٹے تو اس سے قتال کرنا چاہیے، مگر امام صاحب فرماتے ہیں کہ قتال جائز نہیں ہے۔

تو اب یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ ممانعت قتال کون سی صریح حدیث سے ثابت ہے تو اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے ضرورت ہے ان دو اصول کے مستحضر کرنے کی جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔

ایک ذوق کا مرجع ہونا دوسرے حقیقت استدلال کا درجہ منع میں ہونا یعنی ممکن ہے کہ امام صاحب نے اس حدیث میں اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا ہو کہ اس حدیث کی علت کیا ہے، جس کی وجہ سے فلیقاتلہ فرمایا گیا تو ظاہر ہے کہ اس کی علت ہے حفاظت خشوع صلوۃ جو ایک وصف ہے صلوٰۃ کا اور مرور سے اس میں خلل ہوتا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ذات صلوٰۃ وصف صلوٰۃ سے زیادہ حفاظت کے قابل ہے۔

تو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ امام صاحب نے اس حدیث سے یوں سمجھا ہو صفت صلوٰۃ جب اس قدر قابل حفاظت ہے تو امام صاحب نے یہ دیکھا کہ اگر فلیقاتلہ کو ظاہر پر رکھا جائے گا تو ذات صلوۃ برباد ہو جاتی ہے کیوں کہ جب کوئی قتال کرے گا تو ہاتھا پائی بھی ہوگی اور کپڑے بھی پھٹیں گے تو پھر نماز کیا باقی رہے گی، اس لیے امام صاحب نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ یہاں پر فلیقاتلہ خبر پر محمول ہے، لہٰذا وہ اشکال رفع ہو گیا کہ فلیقاتلہ کے مجاز پر محمول ہونے کے لیے کون سی صریح حدیث کی دلیل ہے۔

سو ہر جگہ ہم ذوق مجتہد کی تفصیل پر مطلع نہ ہوں، مگر اصل وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ (القول الجلیل:۷۲)

تاریخ کے دامن سے

مسلم سائنسداں ابن سینا شہرۂ آفاق طبیب

محمد سراج الدین (بنگلور)

ابوعلی الحسین ابن سینا جو مشرقی دنیا میں ابن سینا اور مغربی دنیا میں Avicenna اوسنا کے مختصر نام سے مشہور ہیں، دنیائے اسلام کے ایک شہرۂ آفاق طبیب اور ایک عظیم فلسفی تھے، ابن سینا کی خودنوشت سوانح عمری جو عربی زبان میں کم یاب تصور کی جاتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرنِ وسطیٰ میں ایک عالم یا عارف کی زندگی کتنی متحرک ہوتی ہے، ابن سینا بخارا کے ایک گاؤں خرمیثن میں پیدا ہوئے، ان کے والد ایک سرکاری ملازم تھے، ان کی تعلیم گھر میں ایک اتالیق کی نگرانی میں ہوئی جس کی ابتداء قرآن مجید اور علم ادب سے ہوئی، ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ''دس سال کی عمر میں وہ قرآن اور علم ادب کے ایک کامل استاذ تھے اور دینیات، حساب اور الجبرا کے متعلق بہت کچھ جانتے تھے''۔

ابن سینا کو حساب اور الجبرا سکھانے کے لیے ان کے والد نے انہیں سبزی فروش محمود مساح جو ہندوستانی حساب و کتاب جبر ومقابلہ جانتا تھا ان کے ہاں چھوڑ دیا، ابن سینا نے فقہ کی تعلیم اسماعیل زاہد سے حاصل کی اور اسی اثنا میں ابوعبداللہ ناتلی جو فیلسوف تھے، بخارا آئے تو ابن سینا کے والد نے انہیں اپنے گھر ٹھہرایا اور ابن سینا نے ان سے منطق، اقلیدس اور مجسطی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، مجسطی کی ابتدائی تعلیم کے بعد استاذ عبداللہ ناتلی نے ابن سینا سے کہا کہ ''تم خود اس کتاب کو پڑھو اور اس کو حل کرو'' کیونکہ استاذ انہیں دقیق مضامین نہیں سمجھا سکتے تھے، اس کے بعد ابن سینا نے طبیعات اور الٰہیات کی کتابیں خود پڑھیں، انہیں علم طب کا شوق پیدا ہوا تو انہوں نے علم طب کسی استاذ کے بغیر ہی پڑھا، سولہ سال کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد مزید تکمیل فن کے لیے ابن سینا نے اور ڈیڑھ سال تک تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور منطق وفلسفہ کی کتابوں کو دوبارہ پڑھنا شروع کیا، ابن سینا اپنی خود نوشت سوانح حیات میں اپنے مطالعہ کے بارے میں لکھتے ہیں ''اس زمانے میں کبھی پوری رات نہیں سویا اور دن کو بھی اس کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا اور جب کوئی مسئلہ حل نہ ہوتا تو وضو کرکے جامع مسجد چلا جاتا، نماز پڑھتا اور دعا کرتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی گرہ کھول دیتا تھا، اس طریقہ سے ابن سینا کو تمام علوم وفنون میں اسقدر کمال حاصل ہوگیا کہ پھر بقیہ عمر اس پر کوئی اضافہ نہ ہوسکا، اس کے بعد انہوں نے ارسطو کی مابعد الطبیعۃ کو پڑھا لیکن چالیس مرتبہ پڑھنے کے باوجود بھی اس کو سمجھ نہ سکے، یہاں تک کہ وہ اس سے مایوس ہوگئے، ایک دن عصر کے وقت کتب فروشوں کے بازار گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دلال ایک کتاب ہاتھ میں لئے چیخ چیخ کر فروخت کررہا ہے: ''اس کتاب کو خریدلو نہایت سستی ہے، اس کا مالک اس کی قیمت کا محتاج ہے اور میں اس کو تین درہم میں فروخت کردوں گا'' ابن سینا نے کتاب خرید کر دیکھی تو وہ مابعد الطبیعۃ کے اغراض پر ابونصر فارابی (مشہور فلسفی) وہ ان کو یاد ہوگئی تھی اس لیے اس مرتبہ اس کے مطالب ان پر واضح ہوگئے، اس پر وہ اس قدر خوش ہوئے کہ وہ باہر راستہ پر نکل پڑے اور اس کے شکرانے میں محتاجوں میں صدقہ وخیرات کرڈالے۔

سترہ سال کی عمر میں انہوں نے بخارا کی حکمراں نوح بن منصور کا علاج کیا تو وہ صحت یاب ہوگئے، ان کے علاج سے خوش ہوکر نوح بن منصور نے انہیں اپنے دربار میں شامل کرلیا، اس طرح انہیں سلطان کی

بہت بڑی لائبریری سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ہاتھ آیا، جب سامانیوں کی حکومت درہم برہم ہوگئی تو ابن سینا نے بخارا چھوڑ کر خوارزم کے حکمراں المامون کی ملازمت کر لی، اسی دوران سلطان محمود غزنوی نے المامون کو یہ حکم بھیجا کہ اس کے دربار میں موجود ابن سینا، البیرونی اور دوسرے علماء ودانشور کواس کے دربار میں بھیج دیا جائے، یہ سنتے ہی ابن سینا نے جانے سے انکار کر دیا، اور اپنے ایک ساتھی مسیحی کے ساتھ خوارزم سے ریگستان میں بھاگ نکلے، وہاں مسیحی ایک ریت کے طوفان میں چل بسے اور ابن سینا کئی تکلیفات جھیلتے ہوئے جارجان پہنچے اور حکمراں قابوس کے دربار میں ملازمت کر لی، اس دوران سلطان محمود غزنوی نے پورے فارس یعنی ایران میں ابن سینا کی تصویر کی اشاعت کی اوران کے پکڑنے پرانعام کا اعلان بھی کر دیا، لیکن قابوس نے ان کی حفاظت کی، اس عرصہ میں قابوس قتل کر دیا گیا، اوراسی دوران ہمدان کے حکمراں کے علاج کے لیے ابن سینا کو بلوایا گیا، ابن سینا کے علاج سے امیر ہمدان مکمل صحت یاب ہوگئے تو امیر ہمدان نے خوش ہوکر انہیں اپنا وزیر بنالیا، لیکن فوج کوان کی حکمرانی پسند نہ آئی، انہیں گرفتار کیا ان کا گھر لوٹ لیا گیا اور انہیں موت کی سزا تجویز کی، ابن سینا کس طرح وہاں سے بچ نکلے اور کس دوا فروش کی دوکان میں چھپے بیٹھے رہے، اور تصنیف وتالیف میں لگ گئے جن سے انہیں آئندہ شہرت ملی تھی، وہ یہاں سے خفیہ طور پر بچ نکلنے کی تدبیر کر ہی رہے تھے کہ امیر ہمدان کے بیٹے نے انہیں گرفتار کر لیا اور جیل میں ڈال دیا، جیل میں انہوں نے کئی مہینے گزارے جہاں انہوں نے تصنیف وتالیف کا کام جاری رکھا، یہاں سے پھر وہ ایک صوفی کے لباس میں بچ نکلے، اور بہت سی مہموں کو انجام دینے کے بعد اصفہان کے حکمراں علاالدولہ کے دربار میں پناہ لی اورعزت پائی، یہاں سائنسدانوں اور فلسفیوں کے درمیان جوان کے اطراف جمے رہتے تھے، علمی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں اوراس کی صدارت امیر اصفہان کیا کرتے تھے، وہ دن رات مطالعہ میں اوروں کو پڑھانے میں اورعوامی کاموں میں مصروف رہتے تھے، اس نشیب

وفراز کی زندگی میں چاہے وہ دفتر میں ہوں یا جیل میں انہوں نے فارسی اورعربی میں تقریباً سو کتابیں سائنسی اور فلسفیانہ موضوع پر تصنیف کیں، اسی کے ساتھ انہوں نے بہت سی اچھی نظمیں بھی تصنیف کیں جس میں سے ایک رباعیات عمر خیام میں شامل ہوگئی ہے، اوردوسری نظم ''روح کانزول'' (بالائی کرہ سے جسم کی طرف) جس کو ابھی بھی مشرقی مسلم ممالک میں طلبہ زبانی پڑھتے رہتے ہیں، انہوں نے اقلیدس کا ترجمہ کیا، ستاروں کا مشاہدہ کیا اور ہمارے موجودہ ورنیئر Vernier متحرک پیمانہ کی وضع کا ایک آلہ بنایا، یعنی وہ ورنیئر کے موجد ہیں، ول دوراں ابن سینا کی علمی قابلیت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

He made original studies of mrlion force Vaccum light heal and specific gravity ''انہوں نے حرکت، طاقت، خلاء، نور حرارت اور کثافت نوعی کا بنیادی مطالعہ کیا''۔

میکس میرہاف ''لیگیسی آف اسلام'' میں لکھتے ہیں کہ ''ابن سینا کا معدینات پرایک مقالہ تیرہویں صدی عیسوی تک ورپی علم ۔ طبقات الارض میں سب سے اہم ماخذ تھا'' ابن سینا نے اپنی کتاب الاعجاز میں علم طبقات الارض کہ دوسرے مسائل پر بھی بحث کی ہے، جیسے پہاڑوں کا بڑھنا، زلزلوں کا ہونا وغیرہ ول دوراں کہتے ہیں کہ ''پہاڑوں کے پیدا ہونے پران کی رائے زنی گویا ایک شفاف وضاحت کا نمونہ ہے'' ابن سینا نے دوضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں، جن کے نام ہیں کتاب الشفاء جو اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہے ایک انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں علم ریاضی، طبعیات، مابعد الطبیعات، علم مذہب، معاشیات، سیاسیات اورموسیقی جیسے مضامین ہیں اوردوسری شہرہ آفاق کتاب قانون فی الطب ہے، جو علم تشریح الاعضاء، حفظان صحت، علم العلاج، علم دواسازی اورفلسفہ پر مشتمل ہے، ابن سینا القانون کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''ہر شخص جو میری تعلیمات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، اس کو کتاب کا ایک بہت بڑا حصہ زبانی ازبر یاد کر لینا چاہئے'' اس کتاب میں دس لاکھ الفاظ پائے جاتے ہیں، یہ کتاب چودہ جلدوں پر مشتمل ہے پہلے حصہ میں بڑی بیماریوں کی

علامتیں، تشخص اور طریقہ علاج پر بحث کی گئی ہے، طریقہ علاج میں:

Enema (حقنہ)

Bleeling (خون کا بہانا)

Cautery (داغنہ)

Baths (نہانا)

Massage (جسم کی مالش) کے باب باندھے ہیں۔

اور بعض بیماریوں کے علاج کے لیے پھیپھڑوں سینہ اور حلق کے کوے کو بڑھانے کے لیے، گہری سانس اپنا لینا اور کبھی کبھی چیخنے پر اور دیتے ہیں، دوسرا حصہ دوائیوں کے پودوں کو یونانی اور عربی معلومات پر مشتمل ہے، تیسرا حصہ انسانی امراض پر منحصر ہے، جس میں ذات الجنب، پھیپھڑے کی جلد کی سوجن، آنتوں کی بیماریاں، جنسی بیماریاں، بے راہ روی کی بیماریاں، اعصابی امراض جس میں عشق ومحبت بھی شامل ہیں، چوتھا حصہ میں بخار، کاسمٹیک یعنی حسن کو دوبالا کرنے والے اشیاء، بال اور جلد کی دیکھ بھال کے متعلق بحث کی گئی ہے، پانچویں حصہ میں ادویہ مرکبہ پر مشتمل ہے جس میں ۷۶۰/ دوائیوں کے بنانے کے لیے تفصیلی ہدایات دیئے گئے ہیں۔

قانون فی الطب کا ترجمہ جب لاطینی زبان میں بارہویں صدی میں ہوا تو طبیب ابوبکر رازی اور طبیب جالینوس کے سروں سے حکمت کا تاج اتر گیا، ول دوراں کہتے ہیں کہ سترہویں صدی کے وسط تک مونٹ پلییئر اور لومن یونیورسٹیوں کے نصاب کی اہم ترین کتاب قانون فی الطب تھی، پیرس یونیورسٹی کے میڈیکل کالج کے ہال میں آج بھی طبیب رازی وطبیب ابن سینا کی تصویریں لٹکی ہوئی نظر آتی ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان دو مسلمان طبیبوں کے علاوہ کوئی دوسرا یورپی طبیب ان دونوں کا ہم پلہ نہ تھا۔

سب سے پہلے جیرارڈ آف کریمونا نے بارہویں صدی میں قانون فی الطب کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پندرہویں صدی کے آخری تیس برسوں میں اس کتاب کے سوا ایڈیشن شائع ہو چکے تھے، جس میں ۱۵/ لاطینی اور ایک عبرانی تھا۔

سولہویں صدی میں اس کے بیس ایڈیشن شائع ہوئے ، ان ایڈیشنوں کے علاوہ کتاب کے کئی حصے شہر میں لاطینی عبرانی اور دوسری مقامی زبانوں میں سترہویں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں بھی شائع ہوتے رہے، میکس میرہاف اس کتاب کی اشاعت ومطالعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''شاید ہی کوئی بھی طب کی کتاب جواب تک لکھی گئی ہو اتنا زیادہ مطالعہ میں رہی ہو، اور مشرق ممالک میں اب بھی اس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے، قانون فی الطب کا ترجمہ لاطینی زبان کے علاوہ یورپ کی دوسری زبانوں میں ہوا ہے، اسپین، اٹلی، جنوبی فرانس میں عبرانی زبان میں ترجمے کئے گئے ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس کتاب کی یوں تعریف کی گئی ہے:

the Canon of Meicine in the Mast famous single book in the history of medicine in both east and west

القانون فی الطب مشرق ومغرب کی طب کی تاریخ میں واحد مشہور ترین کتاب ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف امریکہ جلد۲/ صفحہ ۸۷۶/ میں قانون فی الطب کے متعلق کہا گیا ہے :''ابن سینا کی طب کی ضخیم انسائیکلو پیڈیا ہے ''قانون فی الطب'' تمام طبی اور ادویاتی تجربوں کا ایک نچوڑ ہے۔

میکس میرہاف آگے ابن سینا کی یوں تعریف کرتے ہیں:''مشرق میں اسلامی طب سب سے اونچے مقام تک پہنچ چکی تھی'' ابن سینا فلسفہ میں ارسطو کے قائل تھے انہوں نے یونانی فلسفہ کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، ان سے پہلے کندی اور فارابی نے بھی یہی کوشش کی تھی، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ابن سینا ان دونوں کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

//////☆☆☆//////

فضائل

صدقہ کی فضیلت

محترمہ فاضلہ سارہ عزیزی، ناظمہ جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات

صدقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو اللہ تعالی کی رضا مندی اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنے مال میں سے نکالا جاتا ہے اور دوسروں کو جو مستحق محتاج ہوتے ہیں ان کو دیا جاتا ہے، خواہ وہ واجب ہو یا نفل، جیسے کہ حدیث پاک میں وارد ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی خیرات کرتا ہے، تو اللہ تعالی اس پاک کمائی کی خیرات کو اپنے داہنے ہاتھ سے قبول فرماتا ہے، پھر اس کو خیرات کرنے والے کے لیے پالتا ہے، جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کو پالتا ہے، یہاں تک کہ اسی خیرات کا ثواب پہاڑ کے مانند ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حلال کمائی کا اگر ایک حصہ بھی اللہ کے راستے میں (صدقہ اور خیرات کی شکل میں) خرچ کیا جائے، چاہے وہ ایک کھجور کے برابر کیوں نہ ہو، تو قیامت کے دن وہ احد پہاڑ کے برابر ہوگا؛ لیکن شرط یہ ہے کہ حلال کمائی کا ہو، حرام کا نہیں کیونکہ اگر حرام کمائی کا ہے تو حرام ہی میں جائے گا اور اس کا بدلہ ہرگز نہیں ملے گا، اس لیے صدقہ، خیرات، زکوۃ حلال کمائی ہوئی روزی میں کیا جائے، کیونکہ حلال کا مال اچھی جگہ ہی صرف ہوتا ہے اور بری جگہ کی کمائی اور حرام کا مال بری جگہ صرف ہوتا ہے،، اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے ملا علی قاری نے اپنے شیخ عارف باللہ حضرت علی متقی کے حوالے سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ صالحین میں سے ایک بزرگ محنت و مشقت کر کے کماتے اور گزر بسر کرتے تھے، ان کا معمول تھا کہ جو کچھ کماتے اس میں سے تہائی مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور تہائی اپنے خرچ میں اور تہائی اپنے کاروبار میں لگاتے، ایک دن ایک دنیادار ان کے پاس آیا اور بولا، حضرت صدقہ کے طور پر میں اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہتا ہوں کسی مستحق کا نام و نشان مجھے بتا دیجئے، بزرگ نے جواب دیا پہلے جائز طریقے سے حلال مال حاصل کرو، پھر اس میں سے صدقہ نکالو اور صدقہ کسی مستحق ہی کو دیجئے گا، دولت مند اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا اور اصرار کرتا رہا تاکہ وہ بزرگ کسی مستحق کا نام و نشان بتا دے، بالآخر اس بزرگ نے اس سے کہا کہ اچھا تم ایسا کرو کہ باہر جاؤ جس کسی ایسے شخص کو دیکھو جو تمہیں قابل رحم معلوم ہو اسی کو جو دینا ہے دیدو، دولت مند یہ سن کر باہر نکلا تو اس نے ایک بوڑھے لاغر شخص کو دیکھا جو اندھا بھی تھا اور بظاہر قابل رحم معلوم ہوتا تھا، اس دولت مند نے اس کو جو دینا تھا دیدیا، اگلے دن وہ دولت مند اس بوڑھے کے پاس سے گزرا تو اس نے سنا کہ وہ اپنے قریب کھڑے ایک آدمی سے کہہ رہا تھا کہ میاں سنو! کل ایک صاحب میرے پاس سے گزرے تو انہوں نے مجھے اس قدر درہم دیدیئے کہ میرے مزے آگئے اور میں نے وہ سارا پیسہ فلاں بدکار آدمی کے ساتھ شراب نوشی میں صرف کر دیا، اس دولت مند نے یہ بات سنی تو فوراً بزرگ کی خدمت میں پہنچا اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا، بزرگ نے اس کی باتیں سن کر اپنی کمائی میں سے ایک درہم دیا اور کہا جب یہاں سے نکلو تو سب سے پہلے جس شخص پر تمہاری نظر پڑے اس کو یہ درہم دیدینا، دولت مند باہر نکلا تو سب سے پہلے اس نے جس شخص کو دیکھا وہ ایک خوش وضع آدمی تھا، اس کو دیتے

ہوئے جھجکا، مگر اس بزرگ کی ہدایت کے مطابق اسے طوعاً وکرہاً دینا ہی پڑا، اس آدمی نے یہ کیا کہ درہم لیتے ہی جس راستے کو جا رہا تھا اس کو چھوڑ کر مڑا اور ایک دوسرے راستے پر چلنے لگا، وہ دولت مند بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا بنا، یہاں تک کہ اس نے اس آدمی کو ایک کھنڈر میں داخل ہوتے اور دوسرے کھنڈر سے نکل کر آبادی کی طرف لوٹتے ہوئے دیکھا، اس کے بعد وہ دولت منداس کھنڈر میں داخل ہوا اور ادھر ادھر غور سے دیکھا مگر اس کو ایک مرے ہوئے کبوتر کے سوا کوئی خاص چیز نہیں نظر آئی، پھر دولت منداس کھنڈر سے نکل کر اس آدمی کے تعاقب میں نکل پڑا، جب وہ اس کو ملا تو اس نے قسم دے کر التجا کی کہ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ! اس آدمی نے بتایا کہ میں باغیرت، خستہ حال انسان ہوں، اپنی محتاجگی ظاہر کرنا اور کسی سے سوال کرنا مجھے گوارا نہیں، قصہ یہ ہے کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور آج میں نے ان کو بھوک سے بہت نڈھال دیکھا تو میں مضطرب و پریشان ہوا اور اسی حال میں گھر سے نکل پڑا، پھر اچانک میری نظر اس مرے ہوئے کبوتر پر پڑی تو میں اس کو اٹھا کر اپنے بچوں کے لیے گھر کی طرف جا رہا تھا کہ تم مل گئے، پھر غیبی مدد مجھے حاصل ہوگئی، تو جہاں سے اس مرے ہوئے کبوتر کو اٹھایا تھا وہیں لے جا کر پھینک دیا، اب ان بزرگ کی بات اس دولت مند کی سمجھ میں آ گئی کہ واقعی حلال مال اچھی طرح صرف ہوتا ہے، اور حرام مال بری جگہ خرچ ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی صدقہ خیرات کو قبولیت ملتی ہے جو پاک کمائی سے نکالا گیا ہو، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ناجائز اور غیر حلال ذرائع سے حاصل ہونے والا مال اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوتا اور حلال مال اچھی اور نیک جگہ میں صرف ہوتا ہے، اب رہا یہ مسئلہ کہ مال نہ ہو تو صدقہ کیسے کریں؟ لیکن یہ کوئی مشکل بات نہیں کیونکہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''الدین یسر'' دین آسان ہے، ہر نیک کام صدقہ ہے، جیسے حدیث پاک میں ارشاد ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا اپنے مسلمان بھائی کے سامنے مسکرانہ (یعنی اس سے ملتے وقت فرحت وانبساط کا اظہار کرنا) صدقہ ہے، اور تمہارا کسی برے کام سے منع کرنا صدقہ ہے، جس زمین میں راستہ بتانے کا کوئی نشان وغیرہ نہ ہو اور لوگ وہاں راستہ بھول جاتے ہوں، تو اس سرزمین میں تمہارا کسی کو راستہ بتانا صدقہ ہے، جس آدمی کو دکھائی نہ دیتا ہو، تمہارا ایسے آدمی کی مدد کرنا (یعنی اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جانا صدقہ ہے) اور تمہارے لیے صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، اور تمہارا راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا یہ تمہارے لیے صدقہ ہے، اور تمہارا اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں ڈالنا تمہارے لئے صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ (رواہ الترمذی)

قلم کار حضرات متوجہ ہوں!

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، ادبی، دعوتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین ارسال فرما کر اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمارا تعاون کریں۔

☆ مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں۔

☆ مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں۔

☆ شائع شدہ مضامین شامل اشاعت نہیں ہوں گے۔

☆ ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

نیز نقوش اسلام کے اندر شامل مضامین میں قلمکار حضرات جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

//////☆☆☆☆//////

دعوتِ فکر

حامیانِ اردو کی خدمت میں

الحاج حافظ منشی عبدالغفور صاحب ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور سہارنپور

اردو ہندوستانی زبانوں میں سے ایک اہم زندہ وجاوید، دلکش وشیریں، خیرسگالی، اتحاد پسندی، رواداری، آشتی اور انسانیت سے عبارت بھائی چارہ کی زبان تو ہے ہی زبانوں کی تاجدار بھی ہے، بقول ماہر تعلیم ولسانیات اور عظیم اردوداں پروفیسر گوپی چندنارنگ اردو زبانوں کا تاج محل ہے یہ کشادہ دل اور وسعت نظر زبان ہے، جس کا اعتراف سبھی لوگ کرتے ہیں، اس کا سب سے پہلا اخبار ''جام جہاں نما'' ۱۳/ مارچ ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا، اردو کی پہلی یونیورسٹی جامعہ عثمانیہ آندھرا پردیش کی راجدھانی حیدآباد میں ۱۹/۱۸/۱۸۱۷ء سالوں میں سے کسی بھی سال میں قائم ہوئی، آزادی سے قبل اردو ہر شعبۂ زندگی میں رائج تھی اور جنگ آزادی میں اس کا سب سے اہم اور نمایاں رول رہا ہے، آزادئ ہند کے ضمن میں اردو اور اردو شاعری نے جو خدمت کی ہے اس کی نظیر کوئی دوسری زبان پیش نہیں کرسکتی ''انقلاب زندہ باد'' جیسے تاریخ ساز جوش وولولہ پیدا کرنے والے نعرے نغمے اور مثالی حب الوطنی کے ترانے ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' جو ذہنوں میں گونجتے اور دلوں میں ہلچل پیدا کرتے تھے، اردو کی ہی دین ہے، سیاسی اور تہذیبی طور پر اردو پورے ملک کے رابطے اور اتحاد ویکجہتی کی زبان ہے، یہ یہیں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی؛ لیکن اب حال اس بے چاری کا یہ ہے کہ

اپنے گھر میں اجنبی اردو ہے آج
اہل اردو کاش رکھ لیں اس کی لاج

کی صحیح مصداق ہے، باہمی میل ملاپ کی مستحکم زنجیر وعلامت ہے، یہ ہماری قومی، ملکی، مشترکہ گنگا جمنی تہذیب وتمدن کی ضامن ہے، اس کی جڑیں معاشرہ میں تہذیبی اخلاقیات اور ہندوستان کی عظیم جمہوری تاریخ میں پیوست ہیں، اردو کی معیاری اور ٹھوس تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ سماج اور معاشرہ میں آج بھی اپنا ایک مقام ووقار بنا رہے ہیں اردو کا دائرہ کار ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، عالمی زبانوں میں اس کا نمبر تیسرا ہے، شاید ہی دنیا کا کوئی ملک ایسا ہو جہاں اردو لکھنے، پڑھنے، بولنے اور سمجھنے والے افراد موجود نہ ہوں؛ لیکن افسوس اس پر ہے کہ آج اردو کے بڑے بڑے محقق، ادباء، شعراء، نقاد ومبصرین کے بچے اردو سے نہ صرف ناآشنا ہی نہیں بلکہ انہیں اردو سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے، یہ لوگ اپنے بچوں کو اردو میڈیم اسکولوں میں پڑھانا تو دور کی بات اردو سکھاتے تک نہیں، عام طور پر نئی نسل کا اردو سے بتدریج لگاؤ کم تو ہو ہی رہا ہے، بیگانہ بھی ہوتی جارہی ہے اور نابلد طبقہ برابر بڑھ رہا ہے، اردو کے تئیں عدم دلچسپی، بے حسی، بے توجہی کی انتہا ہورہی ہے، اگر ہم نے اپنے بچوں تک اردو کی وراثت نہ پہنچائی تو ہم موردالزام ٹھہریں گے، اہل اردو کو اردو سے والہانہ تعلق ہونا چاہئے، اردو کے مایہ ناز پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے کہ مغلیہ حکومت نے ہندوستان کو تین چیزیں دیں:

(۱) اردو (۲) غالب (۳) اورتاج محل

حال ہی میں جموں کے نامور اردو کے صاحب طرز ادیب

وپروفیسر آنندلہر صاحب نے وکلاء کے ایک خاص مجمع کوخطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو دفتروں میں ہو نہ ہولوگوں کے دلوں میں ضرور ہے، اردوان تمام لوگوں کی زبان ہے، جواسے بولتے، سمجھتے اور جانتے ہیں، اس لیےنئی نسل میں اردو پڑھنے پڑھانے کا رجحان پیدا کریں، تاکہ وہ اپنی ادبی وراثت سے واقف ہوسکیں، حقیقت تو یہ ہے کہ زبانوں میں اردو نہ صرف سب سے زیادہ چاشنی والی زبان ہے، بلکہ سیکھنے میں بھی سب سے آسان ہے، اردو میں جوکشش جاذبیت، جامعیت اور اختصاریت پائی جاتی ہے وہ دوسری زبانوں میں ناپید ہے، آنجہانی پنڈت جواہرلال نہروآزاد بھارت کے پہلے وزیراعظم اردو لکھتے پڑھتے بولتے تھے، ان کی مادری زبان اردوتھی، موصوف کی تقریب شادی خانہ آبادی کا دعوت نامہ اردو میں مختصر اور انتہائی جامع شائع ہوا تھا، مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج اپنے ہی وطن میں اردو بے یارومددگار ہے، یہ تو اپنی اندرونی طاقت اور حسن وکشش کے باعث ہنوز زندہ وتابندہ ہے، حال میں بھی عوام وخواص کے ایک بڑے طبقہ کی زبان ہے، بقول عزیز برنی (ایڈیٹر روزنامہ راشٹریہ سہارااردو) آج وہی اردو جو ۱۹۴۷ تک پورے ملک کی قومی اور رابطہ کی زبان رہی ہے، محض ایک ووٹ کی کمی کی وجہ سے قومی زبان بننے سے رہ گئی تھی گویا اب ؎

ظلمات کی صلیب پہ عیسیٰ بنی ہوئی
زخموں سے چورمیری اردوزبان ہے آج

اس لیے اردو کی اہمیت وافادیت نیز ضرورت کے پیش نظر اس کے فروغ وبقا ترویج واشاعت کی ذمہ داری آئینی اور اخلاقی نیز ملی اور سیاسی طور پر ہم سب اہل اردو پر عائد ہوتی ہے، ہمیں یہ ذمہ داری اپنا فرض جان کر بڑی مستعدی، تندھی اور دلچسپی سے نبھانی چاہئے اردو کی ہمہ جہت ترقی اور بقا کے لیے تن من دھن سے کوشاں رہیں چونکہ آگے آنے والی نسلوں کی اردو تعلیم وترویج کا انحصار ہماری حال کی کوششوں پر ہے، مدارس عربیہ اردو کی فلاح وبہبود کے لیے بہت منظم اور مؤثر طرز وطریق پر کام کررہے ہیں، ہمارے یہ مدارس پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، سب ہی محبّ وطن اور اردو دوست ہیں اس کی ترقی اور بقا کے لیے شب وروز کوشاں اور خواہاں ہیں، اب نہ صرف اردو والے کم ہورہے ہیں؛ بلکہ اردو کا شوق اردو کا چلن اور اردو کا تحفظ وتلفظ بھی کھوتے جارہے ہیں، اسکولوں میں جو بحیثیت اردو ٹیچرس لگے ہوئے ہیں وہ بھی ناقص اردو جاننے کے سبب غالب کو گالب، ذوق کو جوق، غلطی کو گلتی، ضرورت کو جرورت، حالات حاضرہ کو ہالات ہاجرہ، عارف انصاری کو آرف انساری لکھتے، پڑھتے، بولتے ہیں، گل اور غل نبات اور بنات کے تلفظ ومعنی اور موقع محل میں کوئی فرق نہیں جانتے، اس لیے صحیح اردو کی ترویج وتعلیم کا جہاں تک تعلق ہے اس کے لیے ٹھوس اور گہری کاوشوں کی ضرورت ہے تاکہ اردو لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ اور اس کا دائرۂ عمل زیادہ سے زیادہ وسیع ہو، اس لیے حامیان اردو سے گزارش ہے کہ اردو کی بہرنوع تنظیم وترقی نیز اصطلاحات کے لیے حسب ذیل امور پر کمربستہ ہوکر عمل پیرا ہوں:

(۱) تجربہ ہے کہ بچوں کی علمی صلاحتیں مادری زبان میں بسہولت ابھرتی ہیں چونکہ ہماری اور ہمارے بچوں کی مادری زبان اردو ہے، اس لیے اپنے بچوں کو بالخصوص ابتدائی تعلیم مادری زبان اردو میں دیں اور دلائیں۔

(۲) بچے اپنے گردوپیش اور گھریلو ماحول سے بہت کچھ سیکھتے ہیں، نئی نسل کو اردو سے روشناس کرانے کے لیے اپنے گھروں میں اردو کی تعلیم کا بہترین بندوبست کریں، گفتگو بھی صاف وشستہ اردو میں کی جائے اس طرح اردو کو گھروں کے اندر بھی جاری اور ساری رکھیں۔

(۳) اردو اخبارات ورسائل خرید کر پڑھیں، اردو کی کتابیں خرید کر ناشرین کتب کی حوصلہ افزائی کریں، گھر کے تمام افراد میں اردو اخبارات، دینی رسائل وجرائد کے مطالعہ کا رجحان پیدا کریں۔

(۴) کاروباری اداروں، کارخانوں، فیکٹریوں، سواریوں، رہائش گاہوں، دکانوں، مکانوں، بنگلوں، دفتروں نیز مارکیٹ اگر ذاتی ہوتو اس پر بھی نام وغیرہ کے سائن بورڈ واشتہارات اور تختیاں وغیرہ اردو

رسم الخط میں لکھوا کر لگائیں۔

(۵) وزیٹنگ کارڈ، لیٹر پیڈ پر اپنا نام ومکمل پتہ اول اردو میں لکھوائیں، خط وکتابت ہمیشہ اردو میں کریں، خطوط پر پتے پہلے اردو میں لکھیں، دستخط ہر جگہ اردو میں کریں۔

(۶) شادی بیاہ کی تقریبات، جلسہ وجلوس کے اشتہارات و اعلانات کے فولڈر و پوسٹر اور دعوت نامے اردو میں چھپوائیں۔

(۷) گھر اور دکان کے سامان کی فہرست آمد وخرچ کا حساب اردو میں لکھیں۔

(۸) حامیان اردو جذبۂ ایثار سے بستی بستی، محلّہ محلّہ اردو کے تعلیمی سینٹر قائم کرکے رضا کارانہ طور پر اردو پڑھائیں، اردو پڑھاؤ تحریک پر امن طور پر چلائیں۔

(۹) انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے والدین وسر پرستان اردو کو ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھنے کا مطالبہ ذمہ داران اسکول وکالج سے کریں ان اسکولوں میں پڑھانے والے بچے خود بھی ذوق وشوق سے اردو پڑھیں لکھیں سمجھیں اور فخر سے بولیں۔

(۱۰) مردم شماری کے زمانہ میں مادری زبان کے خانے میں لفظ اردو اپنے سامنے پُر کروا کر بعدہٗ جانچ بھی کرلیں۔

(۱۱) اپنے بچوں کا داخلہ ایسے اسکول میں کرائیں جہاں اردو کا مضمون بھی پڑھایا جاتا ہو۔

(۱۲) مرکزی اور ریاستی سرکاروں سے اردو کے آئینی حقوق کے دائرہ میں رہتے ہوئے محکمہ تعلیمات کے وزیر وزراء، افسران وذمہ داران سے مل کر اردو کی تعلیم وترقی کے لیے اردو میڈیم اسکول کھولنے کی مانگ کریں اور قدیم اسکولوں میں مزید ماہر اردو اساتذہ بڑھانے پر بھی زور دیں جہاں اردو نہیں پڑھائی جاتی وہاں شعبہ اردو منظور ورائج کرائیں اردو کے اصحاب فکر ونظر کو اس بارے میں سعی بلیغ کرنی چاہئے تاکہ اردو کو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہو اردو کی تنظیم وترقی اور بقا میں حائل تمام تر دشواریوں کو دور کرنے کرانے کی جدوجہد کریں تاکہ اردو کا چلن عام ہو کر اس کی عظمت رفتہ کی بازیابی ہو۔

(۱۳) ہر اردو داں اپنے حلقہ اثر میں ہر جاننے والے کو اردو پڑھنے کی طرف راغب کرے، نیز اپنے اندر بے لوث خدمات وجذبات کے ساتھ اردو کے لیے کام کرنے کی خواہش وتڑپ پیدا کرے سبھی طبقات کے افراد کو اردو پڑھنے کی ترغیب دیں۔

(۱۴) ان تمام محکموں کے دفاتر میں جہاں اردو کے مترجم موجود ہیں درخواستیں اردو میں ہی دیں، اقلیتی فلاح وبہبود کے دفاتر، اردو تنظیموں، اردو انجمنوں، اردو اکاڈمیوں، اردو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی، غالب اکیڈمی جیسے اداروں میں اردو زبان واردو رسم الخط میں ہی لکھ کر اپنی عرضیاں پیش کریں۔

(۱۵) اردو کو روزی روٹی سے زیادہ جذبات سے جوڑنا ضروری تو ہے ہی مفید تر بھی ہے، اس لیے حامیان اردو، اردو کے فروغ کی خاطر کوشش تن من دھن سے کریں، توقع ہے کہ اردو کا ماضی جیسا شاندار وتابناک رہا ہے، انشاء اللہ مستقبل بھی ایسا ہی روشن ہو کر رہیگا۔

(۱۶) ہمارا بیشتر مذہبی اور ثقافتی تہذیبی اور تمدنی تاریخی اور تدریسی سرمایہ اردو زبان میں ہے، اس لیے اردو کی نئی نسل تیار کرنا ہم سب کا ملی اور اخلاقی فریضہ بنتا ہے، آنیوالی نسل اگر اردو سے ناواقف رہی تو چونکہ ہمارا تمام تر تہذیبی ثقافتی اور دینی سرمایہ ہماری تاریخ ہمارا تشخص وتمدن اردو زبان میں ہے گویا اردو ہمارا ملی، قومی اور مذہبی اثاثہ ہے، یہ سارے کا سارا اثاثہ ختم ہو کر رہ جائے گا، چنانچہ اردو ہمارے دین کی پہچان ہے، تہذیب وتمدن کی کان ہے، صلح وشرافت کی جان ہے، کتنی لذیذ وشریں یہ اردو زبان ہے، اس لیے ہم اپنے بچوں کو اردو سے آراستہ کرنا لازم جانیں۔

/////☆☆☆//////

اصلاحیات

مدارِ نجات اللہ کی رحمت ہے نہ کہ اعمال

مولانا محمد عمر صاحب قاسمی مجاہد پوری

انسان اس بات کا مکلّف ہے کہ اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلتا رہے، جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں بجالاتا رہے اور جن چیزوں کے کرنے سے روک دیا گیا ہے ان سے رک جائے، اسی میں سلامتی اور اسی میں نجات ہے۔

انسان اپنے کسی عمل پر فخر اور گھمنڈ نہ کرے کیونکہ نجات کا مدار اللہ کی رحمت ہے نہ کہ اعمال، جس کسی کی بھی مغفرت ہوگی اللہ کی رحمت کے سبب ہوگی نہ کہ اعمال کے سبب ہوگی، حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہو سکے گا، آپ نے فرمایا (ہاں) کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہو سکے گا، آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے، آپ نے اپنے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ہاں میں بھی نہیں جاؤں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیں، یہ بات بھی آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۱۱۵)

الحاصل انسان کی مغفرت کا اصلی سبب تو اللہ کی رحمت ہے لیکن چونکہ دنیا دار الاسباب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کو نجات کا ظاہری سبب قرار دیا ہے اور وہ انسان کی مغفرت اس کے کسی ایسے عمل کے سبب فرما دیتے ہیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

پیاسے کتے کو پانی پلانے کے سبب کنجری کی مغفرت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک کنجری کی مغفرت کر دی گئی (سبب یہ ہوا کہ) وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو شدت پیاس کے سبب زبان نکالے ہوئے کنوئیں کے کنارے کھڑا تھا، قریب تھا کہ اسے پیاس مار ڈالتی، اس عورت نے اپنا موزہ اتارا اور اسے دوپٹہ سے باندھ کر کنوئیں سے پانی نکالا اور کتے کو پلا دیا پس اس عمل کی بدولت اس کی مغفرت ہوگئی۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۱۶۸)

تکلیف دینے والی ٹہنی ہٹادینے سے مغفرت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص گزر رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک درخت کی ٹہنی پر نظر پڑی اس نے کہا کہ میں مسلمانوں کے راستے سے اس ٹہنی کو ضرور ہٹادوں گا تا کہ انہیں تکلیف نہ ہو، بس اس عمل کے سبب اس کی مغفرت ہوگئی۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۱۶۸)

ایک بلّی کے بچہ کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے مغفرت:

حضرت بایزید بسطامیؒ کو بعد وفات کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا، فرمایا جب میں پیش کیا گیا تو پوچھا گیا اے بایزید! کیا لائے میں نے سوچا کہ نماز روزہ وغیرہ سب اعمال تو اس قابل نہیں کی پیش کروں البتہ ایمان تو بفضلہ تعالیٰ ہے، اس لیے عرض کیا کہ ''توحید'' ارشاد ہوا ''اما تذکر لیلة اللبن'' یعنی دودھ والی رات یاد نہیں۔

قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرت بایزید بسطامی کو ایک رات پیٹ میں درد ہوا تو ان کی زبان سے نکل گیا کہ دودھ پیا تھا، اس سے درد ہو گیا اس پر شکایت ہوئی کہ درد کو دودھ کی طرف منسوب کیا اور فاعل حقیقی کو بھول گئے، پھر ارشاد ہوا کہ اب بتلاؤ کیا لائے عرض کیا اے اللہ کچھ نہیں، فرمایا کہ ایک عمل تمہارا ہم کو پسند آیا ہے اس کی وجہ سے بخشتے ہیں ایک مرتبہ ایک بلی کا بچہ سردی میں مر رہا تھا تم نے اس کو لے کر اپنے پاس لٹالیا، رہ گئی ساری کی ساری بزرگی اور تمام حقائق اور دقائق ومعارف سب کالعدم ہو گئے۔

بچہ کو بسم اللہ پڑھانے کے لیے سبب باپ کی مغفرت:

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ عیسی علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک قبر پر سے گزر ہوا آپ نے (بطور کشف) دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں، آپ آگے چلے گئے، اپنے کام سے فارغ ہو کر جب آپ دوبارہ یہاں سے گزرے تو اس قبر پر رحمت کے فرشتے دیکھے جن کے ساتھ نور کے طبق ہیں آپ کو اس پر تعجب ہوا، آپ نے نماز پڑھی اور اللہ تعالی سے دعا مانگی اللہ تعالی نے وحی بھیجی اے عیسی یہ بندہ گنہگار تھا اور جب سے مرا تھا عذاب میں گرفتار تھا، یہ مرتے وقت اپنی بیوی چھوڑ گیا اس عورت نے ایک فرزند جنا اور اس کی پرورش کی یہاں تک کہ بڑا ہوا، اس کے بعد اس عورت نے اس فرزند کو مکتب میں بھیجا استاذ نے اسے بسم اللہ پڑھائی پس مجھے اس بندے سے حیاء آئی کہ میں اسے آگ کا عذاب دوں زمین کے اندر اور اس کا فرزند میرا نام لیتا ہے زمین کے اوپر۔ (تفسیر کبیر جلد جلد ۱ صفحہ ۱۷۲)

ایک بڑھیا کو روزانہ مسائل بتلانا سبب مغفرت:

حضرت امام غزالی تحریر فرماتے ہیں حضرت ابوسعید شحام کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت سہل صعلوکی کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ ایہا الشیخ کے الفاظ سے مخاطب کیا تو وہ مجھے ٹوک کر کہنے لگے کہ اب شیخ کہنا چھوڑ دو، ابوسعید کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس لقب کے ساتھ میں نے آپ کو اس لیے پکارا کہ آپ کے حالات دنیا میں بالکل شیخوں ہی سے ملتے جلتے تھے، اس پر سہل کہنے لگے کہ ”لم تغنی عنا“ بھائی وہ دنیا کی تمام نیکیاں کچھ کام نہ آ سکیں (ابوسعید ان کلمات کو سن کر ایک دم سہم گئے) عرض کرنے لگے اچھا پھر اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا آپ نے فرمایا اللہ تعالی نے مجھے فقط ان مسائل کے بتانے کے سبب بخش دیا جو فلاں بڑھیا روزانہ آ کر مجھ سے پوچھا کرتی تھی۔

بنی اسرائیل کے ایک عابد وزاہد کا عجیب قصہ:

علامہ جلال الدین سیوطی نے حدیث نقل کی ہے کہ نبی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عابد وزاہد شخص تھا، رات دن اللہ کی عبادت کرتا تھا، چونکہ صاحب عیال تھا اس لیے کمانے کا بھی کچھ دھندا تھا، دکان کی صورت میں تھوڑی سی تجارت تھی مگر اس کا دل اس سے الجھا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ نہ ہو بس ہر وقت عبادت ہی میں لگا رہوں، مگر سوچتا بیوی بچوں کا کیا کرے، بہر حال ایک دن اسے جذبہ آیا اور ساری تجارت و دولت کو اس نے بیوی اور بچوں کے نام کیا اور خود فارغ ہو گیا اور سب سے رخصت ہو کر سمندر کے بیچ میں پہنچ گیا، وہاں ایک ٹیلہ تھا اس میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی باندھی کہ اب ہر وقت اس میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہوں گا (ان مذاہب میں رہبانیت جائز تھی یعنی ساری دنیا کو آدمی چھوڑ چھاڑ کر ایک کونے میں جا بیٹھے) لیکن اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔

خیر یہ شخص اپنے مذہب کے مطابق جا کر بیٹھ گیا گویا اس نے بڑی بھاری عبادت کی چونکہ مخلص تھا اور صاحب دل تھا، اس لیے اس سمندر کے بیچ والے ٹیلہ پر جہاں نہ کوئی جہاز آ سکے اور نہ کوئی کشتی وغیرہ جا سکے، حق تعالی نے اپنے فضل سے وہاں ایک میٹھا چشمہ جاری کر دیا اور اسی پہاڑی پر ایک انار کا درخت اگا دیا، اس عابد کا کام یہ تھا کہ روزانہ ایک انار کھا لیا اور ایک کٹورہ پانی پی لیا اور چوبیس گھنٹے عبادت میں مصروف رہنا، اسی طرح سے اس کی عمر پانچ سو برس کی ہوئی اور یہ

پانچ سو برس اسی شان سے گزرے، اب اس کے انتقال کا وقت آیا اس نے حق تعالی سے درخواست کی کہ اے اللہ! یہ تیرا فضل تھا کہ تو نے مجھے عبادت میں لگایا، اب میری خواہش ہے کہ مجھے سجدے کی حالت میں موت دیجئے تا کہ میرا خاتمہ عبادت کے اوپر ہو اور دوسری درخواست یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں میرے بدن کو قیامت تک محفوظ رکھئے نہ زمین کھائے نہ کیڑے مکوڑے کھائیں تا کہ قیامت تک میں تیرا عبادت گزار بندہ ہی سمجھا جاؤں، حق تعالی نے اس کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں، عین نماز کے اندر سجدے کی حالت میں انتقال ہوا اور اس کا بدن محفوظ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آج تک محفوظ ہے، حق تعالی نے اس ٹیلے کے اوپر بڑے گنجان درخت اگا دیئے ہیں کہ وہاں تک جاتے ہوئے ہیبت کھاتے ہیں، اس لیے وہاں کوئی نہیں جاتا، بدن آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا، وہاں نہ کوئی جانور جاتا ہے اور نہ کوئی انسان جاتا ہے، اسی حالت میں حق تعالی کے سامنے اس کی پیشی ہوگی، حق تعالی ارشاد فرمائیں گے کہ اے بندے میں نے اپنے فضل وکرم سے تجھے بخشا اور تجھے بڑے مقامات دئے، جنت میں جا کر آرام کر، وہ بندہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میں نے تو ساری عمر تیری عبادت میں گزاری پھر بھی تیرے فضل سے جنت میں جاؤں گا، میں تو اپنی عبادت کے بدلہ جنت میں جا رہا ہوں، اللہ تعالی فرمائیں گے کہ نہیں ہم اپنے فضل سے جنت میں بھیج رہے ہیں وہ پھر کہے گا کہ نہیں اے اللہ پھر میری عبادت کس کام آئے گی، میں اپنی عبادت کے بدلہ جنت میں جا رہا ہوں تو حکم ہوگا کہ اسے جہنم کے قریب لا کر کھڑا کر دو، جہنم میں داخل نہ کرنا، اسے اتنی دور رکھو کہ جہنم کا راستہ وہاں سے پانچ سو برس کا ہو، ملائکہ اسے لیجائیں گے اور لے جا کر کھڑا کر دیں گے، جہنم کی طرف سے ایک گرم ہوا اور آگ کی لپٹ آئے گی اس کی وجہ سے وہ سر سے پاؤں تک خشک ہو جائے گا اور اس کی زبان پر کانٹے کھڑے ہو جائیں گے اور پیاس پیاس چلانا شروع کر دے گا، اس وقت غیبی ہاتھ ظاہر ہوگا جس میں ٹھنڈے پانی کا ایک کٹورہ ہوگا یہ عابد دوڑے گا کہ اے خدا کے بندے یہ پانی مجھے دیدے میں بالکل مرنے کے حال میں ہوں، آواز آئے گی کہ کٹورہ تو ملے گا پانی کا مگر اس کی قیمت ہے، بغیر قیمت کے نہیں ملے گا، تو وہ پوچھے گا کہ کیا قیمت ہے اس کی، کہا جائے گا کہ جس نے خالص پانچ سو برس کی عبادت کی ہو وہ اگر کوئی پیش کرے تو یہ کٹورہ پانی کا اسے مل سکتا ہے، عابد کہے گا کہ میرے پاس ہے پانچ سو برس کی عبادت وہ اس عبادت کو پیش کر دے گا اور وہ کٹورہ لے کر پانی پی لے گا، تو کچھ جان میں جان آجائے گی، حق تعالی فرمائیں گے کہ اسے واپس لاؤ پھر اس کی پیشی ہوگی حق تعالی فرمائیں گے اے میرے بندے تیری پانچ سو برس کی عبادت کے صلے میں تو ہم آزاد ہو گئے پانچ سو برس کی عبادت کے بدلے ایک کٹورہ پانی پی لیا اور یہ قیمت تو نے خود ہی تجویز کی، لہٰذا اب تو برابر سرابر ہو گیا، اب ہمارے ذمہ کچھ نہیں، تجھے تیری عبادت کا صلہ مل گیا، اب وہ جو تو نے لاکھوں دانے انار کے کھائے ہیں، ایک ایک دانے کا حساب دیدے، اس کے بدلہ میں کتنی نمازیں پڑھی ہیں، کتنے سجدے کئے ہیں اور وہ جو ہزاروں کٹورے پانی کے پیئے ہیں ایک ایک قطرے کا حساب دیدے، اس پانی کے بدلے کتنی عبادتیں کی ہیں اور وہ جو ٹھنڈا سانس لیتا تھا جس سے زندگی قائم تھی ایک ایک سانس کا حساب دیدے کہ اس کے بدلہ میں کیا عبادتیں لے کر آیا ہے اور وہ جو تیری آنکھوں میں ہم نے روشنی دی تھی اور تا حد نگاہ ایک ایک چیز کو دیکھتا تھا، ایک ایک تارِ نگاہ کا حساب دیدے کہ اس کے بدلہ میں کتنی عبادتیں لے کر آیا ہے، پانچ سو برس کی عبادت کا بدلہ تو ایک کٹورہ پانی ہو گیا، اب جو دوسری نعمتیں استعمال کی ہیں ان کا حساب دیدے، یہ عابد تھرا جائے گا اور کہے گا کہ بے شک اے اللہ نجات آپ ہی کے فضل سے ہوگی، کسی کا عمل کسی کو نجات نہیں دلائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر لاکھوں برس عبادت کرے گا تو وہ بھی ذریعہ نجات نہیں بن سکے گی، جب تک فضل خداوندی نہ ہو اس لیے کہ وہ جو عبادت کرے گا اس کی طاقت کون دے گا، ظاہر بات ہے وہ طاقت بھی وہی دے گا اور طاقت آنے کے بعد جو ارادہ دل میں ہوگا وہ ارادہ

کون پیدا کرے گا، وہ بھی وہی پیدا کرے گا پھر توفیق کون دے گا وہ بھی وہی دے گا، پھر آپ نے کیا کیا سب کچھ تو انھوں نے کرایا ارادہ انہوں نے دیا، طاقت انہوں نے دی، توفیق انہوں نے دی، آپ نے چند سجدے کر لیے تو کیا کمال کیا اور ان سجدوں میں بھی آپ نے جو حرکت کی بدنی طاقت سے وہ طاقت بھی آپ کی ذاتی نہیں تھی وہ بھی ان ہی کی دی ہوئی تھی تو اول سے آخر تک کام تو سارا ان کا ہے اور کہنے لگیں آپ کہ میں نے کیا اور پھر آدمی اس پر فخر کرے فضول ہے بلکہ موقع شکر کا ہے کہ تمام نعمتیں اس نے اپنے فضل سے دیدی ہیں۔

خلاصہ ان واقعات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کی مغفرت محض اللہ کی رحمت کے صدقہ میں ہوئی ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ہر وقت اعمال خیر میں مصروف رہنا چاہئے کیونکہ نہ معلوم کونسا عمل اس کی نجات کا سبب بن جائے لیکن یہ سوچ کر کہ اللہ غفور الرحیم ہے، نکتہ نواز ہیں، انہیں کوئی سا عمل پسند آ گیا تو نجات ہو جائے گی، اعمال کو چھوڑنا نہیں چاہئے کیونکہ اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ اسے ضرور کوئی عمل پسند آ جائے گا، ہوسکتا ہے اسے کوئی عمل بھی پسند نہ آئے (العیاذ باللہ) اس لیے عمل کرتے رہنا چاہئے، نیز ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی عبادت وطاعت پر فخر وغرور نہیں کرنا چاہئے اور کسی کو ذلیل وحقیر نہیں سمجھنا چاہئے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اپنے فضل خاص اور رحم وکرم سے ہماری مغفرت فرمائے۔ آمین

مدرسے کا مقصد

میں کسی بھی مدرسہ کی یہ تعریف ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ جہاں ایسی زبان سکھائی جاتی ہے، جس کی بدولت عربی کتابیں پڑھی جاسکیں اور اس سے دوسرے دنیاوی فائدے اٹھائے جاسکیں، عربی مدرسہ کی ہرگز ہرگز یہ تعریف نہیں؛ بلکہ وہ تو وہ جگہ ہے جہاں طالب علم کے درمیان -جیسا کہ میں نے پہلے کہا- اور خدا کے درمیان ایک بلا واسطہ کی کڑی ہے، جس کا ایک سرا ادھر ہے اور دوسرا اللہ کے قبضہ میں ہے۔ (پاجا سراغ زندگی صفحہ ۴۸)

دو نئی کتابوں کی اشاعت

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے شعبہ ''دار البحوث والنشر'' سے حال ہی میں دو کتابوں کی اشاعت ہوئی ہے: ایک کتاب ''مکتوبات اکابر'' کے نام سے جس میں ۲۰/ بزرگوں کے خطوط ہیں، جن کو مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے ایک جگہ جمع کر کے اور اس کو ترتیب دیکر منظر عام پر لائے ہیں، دراصل یہ کتاب ہر شخص کو سمت مستقیم پر اچھی طرح گامزن کرنے کے لیے بیحد مفید ثابت ہوسکتا ہے؛ کیونکہ اس کتاب میں جہاں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق اور میل ملاپ کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، وہیں اس خطوط کو پڑھ کر دل میں بزرگوں اور اکابر سے تعلقات قائم کرنے کا حوصلہ وجذبہ پیدا ہوتا ہے۔

دوسری کتاب ''مقالات ومشاہدات'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے، جس میں مولانا موصوف نے اپنے ماضی کی یادگار مضامین، مقالے اور حالیہ مضامین جو نقوش اسلام کے اداریے کی شکل میں تھے، ان کو یکجا کر کے اپنی جفاکشی کا مظاہرہ کیا ہے، اللہ تعالی نے مولانا موصوف کو بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نواز ہے، مولانا اگر ایک طرف علم وعمل کے دھنی اور صاحب قلم ہیں تو دوسری جانب درویش حق پرست اور صوفی خدامست بھی ہیں، ان کو بچپن ہی سے ایسے بزرگ اور خدامست سے ربط وتعلق رہا ہے کہ جنھوں نے دنیا کے سامنے اپنا لوہا منوایا ہی نہیں؛ بلکہ خود بخود ان کی ذات وصفات کو دیکھ کر دنیا ان کو اپنا امیر ماننے کو تیار ہوگئی تھی۔

بہر حال یہ کتابیں آپ کے ہاتھوں میں آنے کے بعد ہی حقیقت کا انکشاف ہوگا، مجھے امید ہے کہ یہ کتاب ذوق وشوق سے ہاتھوں ہاتھ خریدی جائے گی، اللہ تعالی مؤلف مذکور کو دین ودنیا کی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار فرمائے، نیز مزید اور کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۱- ''مکتوبات اکابر'' اس کتاب کی قیمت ۴۵/ روپے ہیں، پیشگی رقم بھیجنے والوں کو صرف ۲۵/ روپے میں دیجائے گی۔

۲- ''مقالات ومشاہدات'' اس کتاب کی قیمت ۵۰/ روپے ہیں، پیشگی رقم بھیجنے والوں کو صرف ۳۰/ روپے میں دیجائے گی، ڈاک خرچ ناشر کے ذمہ ہوں گے۔ مبصر: حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: کن خطیبا (مقرر بنئے)

تالیف: مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی

صفحات: ۱۸۴ر قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبۃ الکتاب والسنۃ، رائے بریلی

زیر تبصرہ کتاب ہمارے ایک رفیق درس مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی استاذ مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر رائے بریلی کے قلم سے عربی زبان میں تقریروں کا ایک بہترین شاہکار ہے، مولانا موصوف کو زمانہ طالب علمی ہی سے لکھنے اور پڑھنے کا اچھا ذوق وسلیقہ حاصل رہا ہے، وہ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھنے کی قدرت اور مہارت رکھتے ہیں، انہوں نے کئی کتابیں تو عربی زبان میں تصنیف کیں اور کئی کتابوں کا اردو سے عربی میں ترجمہ بھی کیا ہے جن میں خاص طور سے دو کتابیں "کیف تکون خطیباً" پہلا حصہ اور "الخطب الدينية الجديدة" پہلا حصہ چھپ کر قارئین سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں، نیز طلبہ اور عربی تقریروں کے شائقین کے لیے دلچسپی کا موضوع بن چکی ہیں، مولانا موصوف عربی اور اردو میں تقریباً ۱۰ر کتابیں لکھ چکے ہیں اور مختلف رسائل وجرائد میں بھی ان کی علمی وفقہی تحقیقات اور تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب "کن خطیبا" (آپ مقرر بنئے) کا دوسرا حصہ ہے، جس میں انہوں نے عربی زبان میں تقریر کرنے کا اچھا خاصہ مواد اکٹھا کر دیا ہے، زبان کی سلاست ولذت اور معانی کی ندرت وجدت، الفاظ کی کثرت وتنوع اور انداز بیان کی قدرت ومہارت اور الفاظ ومعانی کے ساتھ جملوں کی ساخت وپرداخت اور ان کی حسن ترتیب وانتخاب یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو ایک اچھے مقرر کے لیے انتہائی ضروری ہیں، ان سب کو موصوف نے بڑی مہارت اور سلیقہ سے اس کتاب میں جمع کرنے کی امکانی کوشش کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ موضوعات کا تنوع اس پر مستزاد ہے، اس طرح ۷۱ر مختلف عناوین پر مولانا کی تقریریں عربی ادب وعربی خطابت کا ایک اچھا نمونہ ہے، ان تقریروں کے بعد کئی اہم علمی اور معلوماتی چیزیں بھی انہوں نے اپنی کتاب کا جز بنائی ہیں، مثلاً طالب علم اپنا تعارف عربی میں کیسے کرائے؟ اور مہمانوں کا استقبال کیسے کرے؟ پھر انجمن اور اسٹیج پروگراموں کو کیسے چلائے، اس کے بعد "النادی العربی" کی اہمیت اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالی ہے، ایک مضمون میں عربی زبان کی اہمیت وافادیت پر بھی اچھی معلومات ہے اور اخیر کتاب میں عربی شعراء کے منتخب اشعار کا مجموعہ بھی کتاب میں شامل کیا گیا ہے، جو مختلف مواقع اور مناسبات کے اعتبار سے مقررین کی تقریر میں جوش وولولہ او رجلا ونکھار پیدا کر سکتے ہیں، ان مندرجات سے کتاب کی افادیت واہمیت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں رہ گیا۔

شروع کتاب میں مؤلف کا تعارف، عرض ناشر اور انتساب ہے، اس کے بعد عربی زبان کے مایہ ناز ادیب حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا مقدمہ ہے جس نے کتاب کی اہمیت وافادیت میں چار چاند لگا دیئے اور مؤلف کی عربی دانی اور زبان دانی پر مہر سند لگا دی ہے، پھر ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ناصر علی ندویؒ کے تصدیقی وتوصیفی کلمات نے کتاب کو گویا ثری سے ثریا تک پہنچانے کا رول ادا کر دیا، ان کا کسی کتاب پر لکھ دینا صاحب کتاب کے لیے بڑی سند اور معتبریت کی بات ہے، اس کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے استاذ مولانا سید راشد نسیم ندوی نے کتاب کی اہمیت ووقعت پر اپنی تحریر پیش کی ہے اور پھر عرض مؤلف میں مؤلف نے اپنا مدعا بیان کیا ہے، اس طرح یہ کتاب بہت وقیع اور اہم اور عربی خطبات کی دنیا میں ایک اچھا قدم ہے، اس پر مؤلف قابل مبارکباد اور لائق شکر ہیں، اللہ تعالی مؤلف محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کے قلم سے اور اچھی چیزیں نکل کر ان کے باقیات الصالحات میں اضافہ کا ذریعہ بنے، امید ہے کہ طلباء اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔

یہ کتاب لکھنؤ اور دیوبند کے سبھی کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

مراسلات

Markazu Ihyail Fikril Islami Muzffarabad.Saharanpur(u.p)

محترم جناب مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

چیف ایڈیٹر نقوش اسلام سہارنپور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جولائی ۲۰۰۷ء کے نقوش اسلام کے شمارہ میں میرا ایک مضمون ''مسلم سائنسداں ادریسی'' شائع کیا ہے، شکریہ!

شکریہ کا تفصیلی خط اس لیے بھیج نہ سکا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ شکریہ کے ساتھ ہی ایک دوسرا مضمون ''مسلم سائنسداں'' آپ کی خدمت میں پیش کردوں، مگر ہائے رے عدیم الفرصتی، چاہتے ہوئے بھی نہ بھیج سکا، لیکن آج جب کہ فروری ۲۰۰۸ء کا شمارہ ہاتھ لگا تو میں نے مصمم ارادہ کر کے خط لکھنے بیٹھ گیا، اور ایک عدد مضمون ''مسلم سائنسداں، ابن سینا'' ارسال خدمت کر رہا ہوں، امید ہے کہ پسند آئے گا، پسند آجائے تو آپ آئندہ شمارہ میں شائع کردیں تو عین نوازش ہوگی۔

دیگر عرض اینکہ گذشتہ ماہ جنوری ۲۰۰۸ء میں حج ادا کرنے وکعبۃ اللہ شریف اور مسجد نبوی کی زیارت کرنے کے بعد جب گھر پہنچا تو ''نقوش اسلام'' کے اداریہ پر نظر پڑی تو بڑی خوشی ہوئی، خوشی اس لیے ہوئی کہ آپ نے حجاج کرام کے حق میں دعا بھی کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ محاسبہ کرنے کے لیے بھی کہا ہے جو بہت ہی ضروری ہے، تقریباً ایک ماہ سے وہیں کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔

محمد زکریا ورک (کنگسٹن کینیڈا) کا مضمون اکیسویں صدی میں ہونے والی والی حیران کن ایجادات بہت ہی معلوماتی ہے۔

آپ کا خلوص کیش

محمد سراج الدین بنگلور

رفیق محترم جناب مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

اطال اللہ بقاءکم ونفع بکم الامۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہ بندہ بحمد للہ مع الخیر ہے اور آپ حضرات کی خیریت کا طالب وخواہاں ہے آپ کا مؤقر ماہنامہ پابندی سے موصول ہوکر استفادہ کا موقع دے رہا ہے، اس ذرہ نوازی کا شکریہ، ناچیز کے مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں، اس حوصلہ افزائی اور قدردانی کا مزید شکریہ!

ماشاء اللہ آپ کے رسالہ کی بڑی خوبی اس کی پابندی سے بروقت اشاعت، مضامین کا تنوع، نگارشات کی رنگارنگی ہے اور معلومات کی فراوانی ہے، پانچ غیر مطبوعہ نئے مضامین برائے اشاعت ارسال کر رہا ہوں، امید ہے کہ وقتاً فوقتاً انہیں شائع کرتے رہیں گے، نیز ''کن خطیبا'' حصہ دوم کے دو نسخے بھی برائے تبصرہ پیش خدمت ہے اس پر تبصرہ خود کریں تو بہتر ہوگا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ظاہری وباطنی ترقیات سے مرکز اور اس کے ماتحت نکلنے والے ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کو نوازے اور احباب کے اندر تعاون کا جذبہ ودیعت فرما کر اخلاص نیت کے ساتھ کام کرنے والا بنائے، نیز مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری کو تکمیل ایمان پر مبارکباد پیش کرتا ہوں، میں تو انہیں صاحبِ قلم کی طرح صاحب خانہ اور اس سے بڑھ کر صاحب اولاد سمجھتا تھا، نقوش اسلام میں ان کا سہرہ پڑھ کر راز فاش ہوا اور حقیقت کا انکشاف بھی۔

رحمت اللہ نیپالی ندوی

مدرسہ فلاح المسلمین تیندوہ، رائے بریلی

محترم مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

ماہنامہ نقوش اسلام کا اپریل ۲۰۰۸ء کا شمارہ موصول ہوا، راقم الحروف کا مضمون ''دولت ایمان اور نیک'' کے علاوہ مراسلہ شامل اشاعت ہیں دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی، شکریہ قبول فرمائیں۔

انشاء اللہ اس دینی جریدے کی خدمت جاری رہے گی، یہ شمارہ صوری ومعنوی اعتبار سے اعلی خصوصیات کا حامل ہے، یوں تو تمام مضامین معیاری ہیں لیکن مولانا محمد سلمان ندوی، مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی اور محمد زکریا ورک صاحبان کی تحریریں بہت عمدہ اور مفید ہیں۔

میں ان دنوں سفر پر ہوں، یہ خط بھی ممبئی سے پوسٹ کر رہا ہوں، اللہ تعالی اس رسالہ کو عمر نوح عطا فرمائے اور نظر بد سے بچائے۔

خیر اندیش

سید اطہر حسین اعظم کالونی اورنگ آباد

مکرمی ومحترمی جناب ایڈیٹر صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں آپ کا قیمتی مجلّہ کتب خانہ دار عرفات میں الحمد للہ پابندی سے پہنچ رہا ہے، مدرسہ ضیاء العلوم کے اساتذہ وطلبہ اور دوسرے صاحب ذوق حضرات اس سے استفادہ کرتے ہیں، ادارہ کے لیے یہ آپ کا بہترین تعاون ہے امید ہے کہ آپ یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔ والسلام

سراج احمد ندوی

دار عرفات رائے بریلی، یوپی

PAGE24\A00 not found.

خوشخبری

PAGE24\A00 not found.

جنت میں اپنا گھر بناؤ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد ضلع سہارنپور (یوپی) کے ادارہ جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ کی جامع مسجد کی تعمیر کا کام جاری ہے، اس لیے خاص طور سے مخیرّین حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے مسجد بنوائی یا مسجد کے بنوانے میں حصہ لیا تو اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں ایک عالیشان عمارت تیار کردیتے ہیں، جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں: "من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتاً في الجنة" جس نے اللہ کے واسطے کوئی مسجد بنائی تو اللہ تعالی جنت میں اس کے لیے ایک گھر تعمیر کرتے ہیں۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ جس شخص نے مسجد تعمیر کروائی یا اس میں کسی طریقے سے مالی امداد کی تو مرنے کے بعد یہی وہ چیز ہے جو فائدہ پہنچائے گی؛ کیونکہ انسان کے مرنے کے بعد دنیا کے سارے تعلقات اور اعمال یکسر ختم ہوجاتے ہیں، صرف تین چیزیں رہ جاتی ہیں جن سے بندے کو مرنے کے بعد فائدہ پہنچتا ہے، ان میں سے ایک صدقہ جاریہ بھی ہے "یعنی کسی مسجد کا بنوانا یا اس میں مالی امداد کرنا وغیرہ" لہٰذا اس جامع مسجد میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر صدقہ جاریہ میں شامل ہوں، جو آپ کے مرنے کے بعد کام آئے گا۔

اس لیے تمام حضرات سے مخلصانہ درخواست کی جاتی ہے کہ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں جو حضرات اپنا گھر جنت میں بنانا چاہتے ہوں تو وہ اس مسجد میں دل کھول کر تعاون فرمائیں، تعاون چاہے نقد سے ہو، سیمنٹ یا سریا، یا اینٹ وغیرہ کے ذریعہ ہو، جس میں سہولت ہو مدد فرمائیں اور جنت میں اپنا گھر بنوائیں۔

مسجد کا سائز 52×46=2392 جس کا تخمینہ Estimate 1076400=00 Rs. روپئے ہے

صدقہ جاریہ میں حصہ لیجئے!

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے تحت چلنے والے ادارہ

"جامعة الامام ابى الحسن الاسلاميه"

Jamiatul Imam Abil Hasan Al-Islamia

میں مختلف درسگاہیں **Class Rooms** تعمیر ہو رہے ہیں، اہل خیر حضرات سے اپیل ہے کہ اس تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیں، ایک یا چند درس گاہیں، یا کمرے اپنے اعزہ کے ایصال ثواب کے لیے یا اپنے لیے صدقہ جاریہ کے طور پر تعمیر کرائیں، یا حتی المقدور جزوی تعاون، سریا، سمینٹ، اینٹ وغیرہ کے ذریعہ سے فرمائیں۔

مختلف سائز Size کی درسگاہوں اور کمروں کا تخمینہ Estimate پیش ہے۔

Total	Amountm.Per 1Class Room	Rate sq.ft.	Room Size sq.ft.	S.No.
2	126000-00	450	280-00	1
2	88200-00	450	196-00	2
1	135000-00	450	300-00	3
1	100800-00	450	224-00	4
4	93600-00	450	208-00	5
4	68250-00	350	195-00	6
Total 1311600=00 Rs.				

چیک یا ڈرافٹ پر یہ لکھیں Markazu Ihyail Fikril Islami

Markazu Ihyail Fikril Islami Muzaffarabad.
Saharanpur(U.P)Pin.247129. Ph.0132-2775452